

صدیق یار غار نبی افضل البشر
بعد از نبی بزرگ توفی قصه مختصر

ہجرت نبوی و معیت صدیقی



مصنفہ

عبد الغنی شید آ خطیب

صِدِّیقُ یَا رِغَارِ نَبِیِّ الْفَضْلِ الْبِشْرِ
بعد از نبی بزرگ توئی قصه مختصر

ہجرتِ نبوی

و

معیتِ صدیقی

مصنف

عبد الغنی شہید الخطیب



ناشران

جمعیتِ محبین صحابہؓ مدنی مسجد فاروق گنج لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

الحمد لله العلیٰ الکبیر القهار۔ والصلوة والسلام علی النبی
الاحی المختار۔ والرضوان من الله والسکینة علی من صاحبه
فی الغار۔ وعلیٰ الہ واصحابہ الطیبین الاطهار۔ الذین
ورد فی شأنہم رحماء بلینہم اشدّ آء علی الکفار۔

اما بعد۔ اسلام کے سورج کو عروج پر دیکھ کر کفار حسد کے مارے
جلنے لگے۔ بن مادی طاقتوں پر ان کو بھروسہ تھا وہ صحابہ کرام کے مقابلے
میں نبرد آزما ہوئیں اور شکست کھا کر نیست و نابود ہو گئیں۔ روم اور ایران
دنیا کی سب سے بڑی حکومتیں ختم ہو گئیں۔ جب دشمن ہر طرف سے یابوں
ہو گئے تو انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں مل جل کر پھوٹ
ڈالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ امیر المومنین عطاء اللہ اسلام حضرت
عمرؓ شہید محراب مسجد نبویؐ کے دورِ معدلت گستر میں تو ان کو جرات نہ ہوئی۔
ان کے بعد بھی یہ کئی برس تک سرنہ اٹھا سکے۔ آخر کار جس طرح ایرانیوں
نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سازش کر کے شہید کیا تھا۔ امیر المومنین
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی سخت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ پھر
ان کے عزائم اور اسلام کے خلافت منصوبے پر دان چڑھنے لگے۔ ان کی
سازشوں کا مرکز کوفہ، بصرہ اور مصر تھے۔ ان کے سرغننے عبداللہ بن سبا
یہودی، مالک اشتر نخعی، حکیم بن جبلة وغیرہ تھے۔ انہوں نے ہر طرح

سازشیں کیں۔ خلفاء عظام کو پریشان کرنا، عاملوں کی جھوٹی شکایتیں کرنا مسلمانوں کو آپس میں لڑانا۔ شہروں میں جھوٹے خطوط لکھ کر حکومت کے خلاف پروپیگنڈے کرنا۔ پھر کتابیں لکھ کر ممالک اسلامیہ میں پھیلانا شروع کیا۔ تاریخ اور حدیث یہ دو ان کے موضوع خاص رہے۔ لاکھوں جھوٹی روایتیں گھڑیں اور کتب تاریخ و احادیث میں شامل کر دیں جس سے بعد والوں کو بہت کام کرنا پڑا۔ بہت جعلی روایتیں کتابوں سے نکالیں۔ مگر وہ اتنی زیادہ تھیں کہ پھر بھی رہ گئیں۔ ان روایتوں میں سب سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب اور فضائل میں تھیں۔ کچھ حضرات حسنینؓ اور ان کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تھیں۔ اس کے بالمقابل خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی شان میں جھوٹی اور من گھڑت روایتیں لکھیں تاکہ ان کے کمالات پر جھوٹ کے پردے ڈال دئے جائیں اور وہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ افضل تھے خلافت ان کا حق تھا۔ دوسروں نے خلافت غصب کی۔ اس سلسلے کی کڑی ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مرویات ہیں۔ جن میں رات کے وقت ہجرت کراتے ہیں۔ حضرت علیؓ کو حضور علیہ السلام کے بستر پر لٹاتے ہیں، امانتیں ان کے سپرد کراتے ہیں۔ امانتوں کی ادائیگی کے بعد ہجرت کراتے ہیں۔ حالانکہ ہجرت دوپہر کو واقع ہوئی۔ نہ کسی کو بستر پر لٹایا گیا نہ امانتیں سپرد کیں۔ صرف امین امت رازدار دوست اور ہر مشکل وقت کے ساتھی اور مددگار حضرت ابوبکر صدیق عقیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا، دوپہر کو ان کے گھر آئے وہیں سے غار ثور میں جا گزیں ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے ذمے کام لگا دئے یہ لوگ اپنی اپنی ذمہ داری کو باحسن طریق نباہتے رہے۔ اپنی جان کی بھی پرماہ نہیں کی۔ آخر کار تین دن غار میں رہنے کے بعد یہ چار آدمیوں کا

یگانہ روزگار قافلہ روانہ ہو گیا۔ ایسا قافلہ جس کی مثال نہیں ملتی۔

میں اس مختصر کتاب میں اسی ہجرت کے بعض حصوں پر بحث کروں گا اور ثابت کروں گا کہ ہجرت دو پہر کو ہوئی اور راستے کی تمام منزلیں اور واقعات جزوی بیان کروں گا تفصیلی نہیں۔ کیونکہ میرا مقصود صرف یہی دو جزوی واقعات ہیں۔

ہجرت پر قرآن کی شہادت

اس سلسلے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن عظیم سے شہادت پیش کرتا ہوں کہ حضور علیہ السلام نے ہجرت فرمائی اور ان کے ساتھ بھی کوئی تھا۔ جس نے اس مشکل ترین گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا ہو۔ ملاحظہ ہو :-
 اَلَا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذَا اُخْرِجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِیْ اَثْنِیْنِ اِذْ هُمْ فِی الْخَاْرِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ط فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَا بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ کَلِمَةً الَّذِیْنَ کَفَرُوْا السُّفْلٰی وَکَلِمَةً اللّٰهُ هِیَ الْعُلَیَّٰطُ وَاللّٰهُ مُعَزِّزٌ حَکِیْمٌ۔ (سورہ التوبہ، رکوع ۱۴) اگر تم رسول کی مدد نہ کرو تو کوئی بات نہیں، اس کی مدد تو اللہ نے اس وقت کی ہے جب اس کو کافروں نے (گھر سے) نکال دیا تھا کہ وہ دو میں سے دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے صاحب سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین اتاری اور اس کی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں۔ جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کی بات کو نیچا دکھایا اور اللہ کی بات تو ہمیشہ بلند ہے۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

یہ آیت ہجرت کے باب میں جس طرح نص قطعی ہے اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کی صحابیت پر بھی نص قطعی ہے جس کی تاویل یا تردید ہرگز جائز نہیں۔

کیونکہ نص قطعی کا انکار کفر ہے۔ جب ہم آیت کریمہ کے الفاظ اور جملوں پر غور کرتے ہیں تو اس میں علوم و معارف کے سمندر تلامذہ خیر ملتے ہیں۔ جتنی شان صدیقیؒ اور خصوصی عنایات خداوندی اس آیت میں ملتی ہیں دوسری آیات میں نہیں۔

پہلی بات | طرزِ خطاب ہے اس پر غور کیا جائے تو کیا کیا راز ملتے ہیں صحابہ کرامؓ کو اس خطاب سے مخاطب کرنے کی بھی وجہ ہے۔

میں نے اس مقام پر بہت تفاسیر دیکھیں۔ تفسیر کبیر اور روح المعانی میں بھی یہ راز نہ کھلا کہ صحابہؓ جبکہ ہر وقت خدمت گار اور فرمانبردار تھے پھر ان کو یہ کہنا کہ اگر تم مدونہ کرو گے تو کوئی بات نہیں (الحق) میرے نزدیک اس خطاب کی وجہ صرف تربیت ہے۔ اور یہ غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی جب کہ منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر جان چھڑا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو اس خطاب میں رغبت دلائی اور جہاد پر ابھارا کہ کہیں بزودی نہ دکھائی بلکہ وہ ماضی کی طرح مستقبل کو بھی درخشندہ و تابناک رکھیں۔ اس لیے یہ پیرایہ اختیار کیا گیا۔

دوسرے | اس خطاب سے حضرت ابو بکر صدیقؓ خارج ہیں کیونکہ وہ تو رسول اللہ کے اس وقت بھی مددگار تھے اور اوّل سے آخر تک ساتھ رہے۔ میرے اس خیال کی تائید تفسیر المنار میں ابن عساکر کے حوالے سے ملتی ہے۔ اخرج ابن عساکر عن سفیان بن عیینة قال عاتب الله المسلمين جميعا في نبيه غير ابى بكر وحده فانه خرج من المعاتبة تفسیر المنار (صفحہ ۵۹) طبع مصر، ابن عساکر نے سفیان بن عیینہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوائے حضرت ابو بکرؓ کے تمام مسلمانوں کو عتاب آمیز خطاب فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ اس سے خارج ہیں کیونکہ وہ تو آپ کے ساتھ تھے۔

تیسری بات

اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی صورت حضرت ابوبکرؓ کی معیت تھی۔ جس کی ہجرت سے قبل مکہ میں ہی

دعا سکھائی گئی تھی۔ وہ دعا یہ ہے :-

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ
وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۹)
اے میرے پروردگار! مجھے سچائی سے (مدینہ میں) داخل کر اور سچائی کے
ساتھ مکہ سے نکال اور اپنی طرف سے ایک سلطان مددگار دے دے۔

اس آیت میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے اور ہجرت کے لینے ہی
مددگار مانگ رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام کو حکم دیا کہ دعا کرتے رہیں۔
اس آیت میں بھی بہت علمی نکات ہیں۔ مدینہ میں داخل ہونے کو اولے
بیاپن کیا کہ جائے پناہ اول بنائی جاتی ہے تاکہ جب ایک جگہ چھوڑیں تو
دوسری تیار ہو۔ اس لیے مدینہ کا پہلے ذکر کیا کہ وہ جائے پناہ تھا۔ بعد
مکہ مکرمہ سے نکلنے کا ذکر فرمایا۔

مصدق سلطان میں اختلاف رائے

اور ایک خاص مددگار کے مصداق میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں۔
میں نے بہت تفاسیر پڑھیں میری تسکین نہیں ہوئی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا
ہوں کہ سلطان نصیر سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں اور یہ قرینہ تفسیروں
میں ہے۔ حکومت نامہ۔ ایسی مضبوط حکومت جو دین کی مدد کرے۔ اگر
یہ بات بھی مان لی جائے تو بھی مصداق حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں۔ آپ جس
فولادی عزم کے مالک تھے صحابہ کرامؓ میں کوئی نہ تھا۔ لیکن آیت میں حضور
علیہ السلام اپنا مددگار مانگ رہے ہیں اور سلطان سے بادشاہ کی بجائے

زبردست اور غالب عزم و ہمت والا مددگار مراد لیا جائے تو صرف حضرت ابو بکرؓ ہی ایسے نظر آتے ہیں۔ غزوہ بدر میں جس عزم و ہمت کا ثبوت آپ نے دیا وہ محتاج بیان نہیں۔ خود مکے میں حضور علیہ السلام کو کافروں سے پھڑاتے تھے، آپ کے دماغ بھی مددگار رہے۔ طبری لکھتے ہیں۔ عتبہ بن ابی معیط نے کعبہ میں رسول کریمؐ کے گلے میں چادر کا پھندہ ڈال کر زور سے کھینچا تو حضرت ابو بکرؓ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے فوضع یدہ علی منکبہ فدفعه عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اتقتلون رجلا ان يقول ربی اللہ۔ طبری ص ۲۲۳ ج ۱۔ ابو بکرؓ نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر زور سے رکھا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا پھر کہا ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے میرا رب تو صرف ایک اللہ ہے۔ کیا یہی اس کا قصور ہے؟

میں نے مختصر لکھا ہے کچھ حصے کا ترجمہ ہی لکھا ہے عربی نہیں لکھی۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کے اوّل سے آخر تک مددگار رہے۔ اسی لیے ہجرت میں ان کی رفاقت کو ضروری سمجھا اور پہلے ہی دعا سکھائی گئی۔ پھر قرینہ بھی یہی ہے کہ جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر جائیں۔ پھر ابو بکرؓ ہی سے نہیں آپ کا گھرانہ مدد کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رفاقت کا ذکر طبری نے بھی کیا ہے فیقول لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعجل لعل اللہ ان یجعل لک صاحباً فطمع ابو بکر ان یکونہ (ص ۲۴ ج ۱) حضور علیہ السلام نے ابو بکرؓ کے اجازت ہجرت مانگنے پر فرمایا۔ جلدی نہ کریں امید ہے اللہ تعالیٰ آپ کو میرا رفیق بنا دیں۔ پھر ابو بکرؓ کو اس کی تمنا رہی کہ میں ہی حضورؐ کا ساتھی ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ ابو بکرؓ کو اپنے ساتھ

لے کر ہجرت کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مالی مدد بھی بہت کی۔ ہر موقع پر دوسروں سے بڑھ کر کی۔ اس لئے میں ان شواہد کے ہوتے ہوئے آیت کا مصداق صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتا ہوں۔ چنانچہ صاحب روح المعانی سلطاناً نصیراً کے تحت لکھتے ہیں۔ وقیل السلطان احد السلاطین الملوك فكان المراد الدعاء، بان يكون في كل عصر ملك ينصر دين الله تعالى۔ وعن قتادة قال اخرجہ الله من مكة مخرج صدق وادخله المدينة مدخل صدق وعلم بنی الله انه لا طاقة لما لهذا الامر الا بسلطان فسأل سلطاناً نصيراً لكتاب الله تعالى وحدوده وفرائضه والحق ان المراد من السلطان كل ما يفيد الغلبة على اعداء الله تعالى وظهور دينه جل شانہ (ص ۱۴۴ روح المعانی) کہا گیا ہے کہ سلطان سے مراد بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہے جو ہر زمانے میں اللہ کے دین کی مدد کرے اور یہ دعا ہے۔ اور قتادہ سے مروی ہے انہوں نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مکہ سے سچائی کے ساتھ نکالا اور سچائی کے ساتھ مدینہ میں داخل کیا اور اللہ کا نبیؐ جانتا تھا کہ اس کو اس کام کی طاقت نہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ اسے کوئی مددگار نہ دے جو کتاب اللہ اور حدود و فرائض کے نفاذ میں مدد کرے۔

اور حق اور صحیح بات یہ ہے کہ سلطان سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ جل شانہ کے دشمنوں پر غلبے اور دین کے اظہار میں مفید ثابت ہو۔ صاحب روح المعانی کی اپنی رائے کے یہی آخری کلمات ہیں کل ما یفید الغلبة۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان نصیر سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ پھر ان کے کارنامے منہ بوتا ثبوت ہیں کہ یہی سلطان نصیر تھے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا سکھائی تھی۔

اور ہجرت سے کافی عرصہ پہلے ہی سکھائی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے وہ دعاء حضرت ابوبکرؓ سے پوری کر دکھائی۔ یہ کتنا اعزاز ہے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی علیہ السلام کو آپ پر کس قدر اعتماد تھا۔ ع
 ”یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا“

آیت سورہ توبہ کی تشریح مزید

ابا آئیے آیت مذکورہ پر مزید غور کریں۔ اذ اخرجہ الذین کفروا۔ اس سے مراد سبب خروج ہے۔ یعنی کافروں نے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ آپؐ کو مکہ سے نکلنا پڑا۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکلے تھے مگر نکلنے کا باعث کافر تھے۔ اس لیے ان کی طرف خروج کی نسبت کر دی۔ جس طرح حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے جنت سے نکلنے کی نسبت شیطان کی طرف کر دی۔ فَاُخْرِجْهُمَا مِمَّا كَانَا فِيہِ۔ ان دونوں کو شیطان نے جنت سے نکالا۔ حالانکہ وہ اللہ کے حکم ہی سے نکالے گئے تھے مگر سبب خروج شیطان تھا۔ ایسا ہی اس آیت میں ہے۔ ثانی اثنین۔ جملہ عالیہ ہے۔ یہ اس وقت کا نقشہ پیش کر رہا ہے کہ پیغمبر و میں سے دوسرا تھا۔ اذ هما فی الغار جب وہ دونوں غار میں تھے۔ اذ یقول لصاحبه۔ جب وہ (پیغمبر) اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ لا تحزن ان اللہ معنا۔ غم نہ کیجئے، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے کہ کتنا مشکل وقت تھا حضور علیہ السلام کو دوسرا فرمایا۔ کیونکہ ثانی اثنین حال ہے آخرجہ کی ضمیر مفعول سے۔ اور قاعدہ یہ ہے حال کا ذوالحال پر حمل ہوتا ہے تو اس صورت میں حضرت ابوبکرؓ پہلے ہوئے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی اولیت کی وجوہات

اولے : یہ کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے غار میں گئے حضور علیہ السلام بعد میں۔
دوم : لفظ ابوبکر اپنے معنوی اعتبار سے اولیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور
اس کے کئی معانی ہیں۔ مثلاً نیک کاموں میں سب سے سبقت کرنے والا۔

بھی ہیں اور وہ ہمیشہ امور خیر میں پیش پیش ہوتے تھے۔
سوم : ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ آپؐ کے روضہ اطہر
میں پہلے ابوبکرؓ ہی دفن ہوں گے۔ اس طرح حضرت عمرؓ سے ان
کو اولیت حاصل ہوئی۔ (واللہ اعلم)

لفظ صاحب پر اعتراض اور اس کا جواب

اس پر مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو کافر کے لیے بھی بولا گیا ہے۔
لہذا فضیلت کی کوئی وجہ نہیں اور وہ آیت سورۃ الکہف پیش کرتے ہیں۔
ان آیات میں موحّد اور مشرک دو ساتھیوں کا مکالمہ نقل کیا گیا ہے۔ مشرک
کے لیے بھی صاحب کا لفظ بولا گیا اور مومن کے لیے بھی! وہ آیات یہ
ہیں۔ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَا لَا
وَاعِزَّ نَفَرًا۔ یہ مقولہ مشرک کا تھا جو اپنے مال پر فخر کر رہا تھا اور قیامت
کا بھی منکر تھا۔ مومن اس کے جواب میں کہتا ہے۔ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَ
هُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتُ بِاللَّهِ يَا خُلَافَ ابْنِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّنِي أَكْفَرُ بِكَ
وَمَنْ مَعَكَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔ ان آیات میں دونوں کے لیے لفظ صاحب
بولا گیا ہے۔ مخالفین نے صرف وہ جملہ نقل کیا جو مشرک کے لیے مومن

نے استعمال کیا تھا۔ جواب سے پہلے ضروری ہوا کہ اس لفظ کی تشریح
کر دوں۔

لفظ صاحب کی لغوی تشریح

صاحب کے لغت میں کئی معانی آتے ہیں۔ مثلاً یار، دوست، ساتھی،
مالک اور اہل کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جس طرح اہل النار، اہل الجنة
آتا ہے۔ اسی طرح اصحاب النار، اصحاب الجنة، اصحاب الکہف آتا ہے
واحد اور تشبیہ کی مثال یہ آیات ہیں۔ صاحب الحوت، مچھلی والا — اور
مقولہ حضرت یوسف علیہ السلام یا صاحبی السجن، اے میرے جیل والے
ساتھیو!

نبیؐ کے لیے لفظ صاحب کا استعمال

قرآن کریم میں ہے ماضی صاحبکم وما غوی (سورہ النجم) —
وما صاحبکم بمجنون (سورہ التکویر) اولم یفکروا ما یصاحبکم
من جنۃ (الاعراف) ثم یفکروا ما یصاحبکم من جنۃ (سورہ سبا)
یہ چار مقامات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کو صاحب کہا گیا ہے۔ اور صاحبہ بیوی
کے لیے رفیقہ حیات کے معنی میں بولا گیا ہے۔ جیسے لمرتکن لنا صاحبۃ
اللہ کی تو کوئی بیوی ہی نہیں بیٹا کہاں ہوتا۔ سورۃ الانعام۔ یوم یفر المرء
من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبۃ وبنیہ (سورۃ العنکبوت) جس
دن آدمی اپنے بھائی، ماں باپ اور بیوی اور بیٹیوں سے بھاگے گا۔
لفظ صاحب کی جمع یوں آتی ہے صحاب۔ صحب۔ صحابہ، الجمع
اصحاب۔ جمع الجمع اصحابیہ اور صاحبہ کی جمع صواحب ہے۔
اب ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ صاحب جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بولا

گیا ہے وہ مقام مدح میں ہے یا ذم میں۔ اب میں جواب کی طرف آتا ہوں۔

جواب سورۃ الکہف میں جو مشرک کے لیے بولا گیا ہے وہ مقام ذم میں ہے اور جو حضرت ابوبکرؓ کے لیے بولا گیا ہے وہ

مقام مدح میں ہے۔ دونوں کا فرق اندازِ بیاں سے نمایاں ہے۔ سورۃ کہف میں وجہ ذم یہ جملہ ہے (اکفرت بالذی خلقک) تو نے اپنے خالق کا انکار کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کافر تھا اور اس کے کفر

کی شناخت اور برائی بیان کی ہے۔ اور یہاں (لا تحزن ان اللہ معنا) ہے، غم نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ جملہ بذاتِ خود ایک بہت بڑی

مدح ہے۔ اور یہ مقام مجبونی ہے اور اللہ تعالیٰ کی معیت دائمی ہے۔ اور پھر یہ معیت کن لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ ہی اس کا تعین

فرماتے ہیں۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین هم محسنون (سورۃ

النحل) بلاشبہ اللہ تعالیٰ پر ہمیز گاروں اور احسان کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں اسی جواب کو اختیار فرمایا ہے۔ یہ

تقریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں فای مناسبتہ بین البابین لولا شرط

العداۃ۔ ان دونوں بابوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ ہاں دشمنی ہی حد

بڑھی ہوئی ہو تو کیا کہا جائے۔ (تفسیر کبیر ص ۶۵)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معیت کے لیے دو شرائط ہیں۔ افتاء اور

احسان۔ آیت میں صرہ ہے اور یہ دو شرطیں ایمان باللہ والرسول کے سوا

حاصل نہیں ہوتیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا جس کے ساتھ اللہ بھی ہے۔ اور

اس کا رسول بھی وہ ہمیز گار اور محسن ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی رفاقت

کامستحق ٹھہرا۔

پھر اس آیت میں حزن سے ہنی مطلق بیان ہوئی ہے۔ جو دوام پر وال

ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تاحیات بوقتِ وفات و بعد الوفات ابوبکرؓ کے ساتھ

رہے گا۔ اُسے غمگین نہیں ہونے دے گا۔ علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں
 نہی عن الحزن کی تشریح یہی فرماتے ہیں جو مذکور ہوئی۔ چنانچہ اس کے
 الفاظ ملاحظہ ہوں۔ ان قولہ (لا تحزن) نہی عن الحزن مطلقاً والنہی
 یوجب الدوام والتکرار و ذالک یقتضی ان لا یحزن ابو بکر بعد
 ذالک البتہ۔ قبل الموت وعند الموت وبعد الموت (تفسیر کبیر ص ۶۵)
 حزن سے مطلقاً روک دیا اور نہی دوام اور تکرار کو لازم کرتی ہے اور اس کا
 تقاضا یہ ہے کہ ابو بکرؓ اس کے بعد کبھی بھی غمگین نہ ہوں۔ لازماً نہ قبل موت
 نہ وقت موت نہ بعد موت۔ کتنی خوش قسمتی ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ
 کے لئے غم سے محفوظ کر دیا اور ساتھ رہنے کا وعدہ کیا۔ کیونکہ معیت وقتی
 نہ تھی اور وہ نصرت اور حفاظت اور نگہبانی سب کو شامل ہے اور بڑی خوبی
 اس میں یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے معیت میں اپنے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کو ملایا
 ان اللہ معنا۔ اب اگر کوئی معاند اس معیت کو بری نگاہ سے دیکھے اور خیال
 کرے یہ اچھی نہ تھی تو حضور علیہ السلام بھی اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اور
 اگر معیت کو بہ نظر احسان اور باعث فخر و کمالات دیکھا جائے تو بھی حضرت
 ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کے ساتھ شامل ہیں۔ یہ دونوں کسی صورت جدا نہیں
 ہو سکتے اور مزے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان دونوں کے ساتھ ہیں۔
 اب جو معنی چاہو اختیار کرو۔ اور خدا کی قدرت بعد وفات بھی دونوں کی
 رفاقت قائم ہے جو جنت میں بھی قائم رہے گی۔ یہ حسی نمونہ ہے رفاقت ابدی
 کا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ یہ رفاقت عند اللہ اتنی مقبول ہوئی کہ گہرے
 دوست کے لیے یار غار ضرب المثل بن گیا۔ رفاقت اور معیت عقلی اور حسی
 دونوں بدرجہ اتم ان کو حاصل ہیں۔ علامہ رازی نے اس معیت پر بھی روشنی
 ڈالی ہے۔ فان حملوا هذه المعية على وجه فاسد لزمهم اذخال
 الرسول فيه وان حملوها على عمل رفیع شریعت لزمهم اذخال

ابی بکرؓ فیہ - اگر اس معیت کو وجہ فاسد پر محمول کر دو گے تو رسول کا اس میں داخل ہونا بھی لازم آئے گا۔ اور اگر ایک رفیع الشان اور عظیم عمل پر حمل کر دو گے تو لازماً ابو بکرؓ بھی اس میں شامل ہوں گے۔ اب چاہنے والے جو چاہیں اختیار کریں۔ ط للناس فیما یشتقون مذاہب - ایک راستہ نجات اور دوسرا تباہی و ہلاکت کا ہے۔

اب رہی یہ بحث کہ حضرت ابو بکرؓ کو غم کس کا تھا۔

باعث غم ابو بکرؓ

کتب تاریخ و حدیث میں مروی ہے کفار جب غار پر آ گئے۔ اولہ ان کا سراغ رساں کہہ رہا ہے وہ غار میں ہیں۔ لیکن مشرکین اس کا انکار کرتے ہیں (جس کی وجہ اپنے مقام پر انشاء اللہ بیان کروں گا) کافروں کی آواز دونوں دوست غار میں سنی رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کو صرف حضور علیہ السلام کا غم تھا کہ کافر آپؐ کو شہید نہ کر ڈالیں ایسے عالم میں حضور علیہ السلام نے تسلی دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر سکینہ نازل فرمایا جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔

ابو بکرؓ کی قسمت پر قربان جاؤں کہ اس کے غمگین ہونے پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ تسلی دے رہے ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت پر بھی غور کیجئے۔ جب قوم کو لے کر رات کو نکلے۔ راستہ بھول گئے۔ بحیرہ قلزم میں جا پہنچے اور فرعون سات لاکھ فوج کو لے کر ان کا تعاقب کر رہا ہے سورج طلوع ہوتے ہی ان کے قریب پہنچ گیا۔ قال اصحاب موسیٰ انا لمدارکون - موسیٰ علیہ السلام کے سامعیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے آگے سن رہے ہیں پیچھے فرعون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ ان معی ربی سیدھدین - بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے

وہ ضرور راستہ دے گا۔ کہاں۔ ان معی رتی اور کہاں ان اللہ معنا دونوں فریق کے براتب اور مقامات کو نمایاں اور متمیز کر رہا ہے۔

دونوں میں بنیادی فرق !

حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت موسیٰؑ اور ان کے رفقاء میں اصولی فرق یہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کو اپنی جان کی فکر تھی۔ رسولؐ رہے یا نہ رہے یہودی رہ جائیں اور پھر اس پر عدم اعتماد اور ضعیف ایمان کی وجہ سے آوازے کس رہے تھے کہ تو نے ہمیں مروایا۔ وہ اس عالم میں جواب دیتے ہیں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔

اور حضرت ابوبکرؓ کو اپنے رسولؐ کی جان کی فکر ہے۔ اپنی جان اور جو اثاثہ تھا، حتیٰ کہ اہل و عیال کو بھی اس کام کے لیے وقف کر کے اہل مکہ کا غضب مول لے لیا تھا۔ اُسے صرف اپنے نبی کی ہی فکر تھی۔ اور پھر لغت بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ حزن کا لفظ غم غیر کے لیے بولا جاتا ہے۔

لفظ حزن کی مثال

سورۃ یوسف ملاحظہ ہو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام مدت مدید سے بیٹے کے فراق میں غم سے بھرے ہوئے روتے رہتے تھے حتیٰ کہ بینائی جاتی رہی۔ اس غم کا نقشہ قرآن کے الفاظ میں سنئے۔ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَىٰ عَلَىٰ يَوْسُفَ وَابْنَتِ عَيْنَا مِنْ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ۔ (رکوع ۱۱) اور بیٹوں سے پیچھے پھیری اور کہا ہائے افسوس! یوسف۔ اور اس کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں اور وہ غم میں بھرا ہوا تھا۔ اب خود ہی فیصلہ کیجئے یہ غم ان کے بیٹے کا تھا یا اپنی جان کا۔ یہی لفظ سورۃ توبہ میں آیا ہے جس کا بیان گزر چکا ہے۔ اس لیے یہاں بھی حضرت ابوبکرؓ کو حضور علیہ السلام کا غم تھا، اپنی جان کا

ہرگز نہ تھا۔ اگر حضرت ابوبکرؓ قابل اعتماد نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو ہرگز ان کو ساتھ لے جانے کا حکم نہ دیتے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی باطنی پاکیزگی اور طہارتِ قلبی پر بین دلیل ہے۔ علامہ رازی اس مقام پر خوب لکھتے ہیں :-

فلولا انما عليه السلام كان قاطعا على باطن ابي بكر بانه
من المومنين المحققين الصادقين الصديقين والاملا اصبه
نفسه في ذلك الموضع - تفسير کبیر - سو اگر نبی علیہ السلام ابوبکرؓ کے باطن
پر قطعی علم نہ رکھتے کہ وہ مخلص مومنین محققین صادقین اور صدیقین میں سے
ہے تو ان کو ہرگز اپنی رفاقت کے لیے اس مقام پر اختیار نہ کرتے۔ وہ اچھی
طرح جانتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ساتھ لیا تھا۔ جس کو کبھی غلطی
ہو نہیں سکتی۔ پھر یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نسب میں آپؐ کے اقرب تھے۔
ان کو ساتھ نہ لیا بلکہ بتایا بھی نہیں۔ یہ واقعات بتاتے ہیں آپؐ کو حضرت ابوبکرؓ
پر کامل اعتماد اور یقین محکم تھا۔ علامہ رازی نے بہت خوب بات کہی —
وتخصيص الله اياه بهذا التشريف دل على منصب عالي له في
الدين - تفسير کبیر - اور اللہ تعالیٰ کا ابوبکرؓ کو اس شرف کے لیے مخصوص
کر لینا ہی ان کے دین میں عالی مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ تمام لوگ ہجرت کر
گئے مگر ابوبکرؓ ان مشکل حالات میں بھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہے
اور شہادت کو برداشت کرتے رہے۔

اب لفظ سکینہ پر غور کرتے ہیں تو وہ بھی حضرت ابوبکرؓ کی مدح اور شانِ
خداوندی کا منظر نظر آتا ہے۔ فانزل الله سكينة عليه - تو اللہ نے
اس پر تسکین اتاری۔ ایسی تسکین کہ پھر کبھی غم نہ رہے۔ اور سکونِ قلب کی
دولت سے مالا مال رہے۔ جس کو نہ کبھی فنا ہونا زوال۔ بعض مفسرین نے
ضمیر علیہ کو رسول کریمؐ کی طرف راجع مانا ہے۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے۔ اس
لیے کہ جس کو پہلے ہی اطمینان حاصل تھا اس کو ہی اطمینان دلانا یہ تحصیلِ حاصل ہے،

جو غلط ہے۔ اللہ کے کلام میں ایسا سرگز نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ سکیئہ اسی پر اتارا جس کو اس کی ضرورت تھی، جو اپنے حبیب کے غم میں نڈھال تھا۔ چنانچہ علامہ رازی لکھتے ہیں۔ (فانزل اللہ سکیئہ علیہ) ومن قال الضمیر فی قوله (علیہ) عائداً الی الرسول فهذا باطل بوجہ۔ (کبیر ص ۶۵) جو یہ کہتا ہے ضمیر رسول کی طرف راجع ہے یہ کئی وجوہ سے باطل ہے۔ اب میں اس مقام پر شیعہ کی تفسیر سے ثابت کرتا ہوں کہ جو میں نے بیان کیا ہے یہی درست ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر کشف الاسرار و عدۃ الابرار از خواجہ عبداللہ انصاری ص ۱۳۴ جلد ۲ طبع ایران (اذیقول لصاحبہ) آنگہ کہ یار خویش را گفت (ابوبکرؓ) (لا تحزن ان الله معنا) اندوہ مدار کہ خدائے باماست (فانزل اللہ سکیئہ علیہ) فرو فرستاد خدائے آرام ایمان بر ابوبکرؓ جب اس نے اپنے دوست سے کہا۔ یعنی ابوبکرؓ کو غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ پر سکون ایمان اتارا۔

اس تفسیر نے حقیقت حال کھول کر رکھ دی کوئی ابہام باقی نہ چھوڑا۔ فہل من مدکر۔ (وايذا بجندل سرتروها) ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہیں دیکھے۔ وہ فرشتوں کی حفاظت اور نگہبانی تھی۔ حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت کر رہے تھے یہ وہ لشکر تھے جن کو صحابہؓ نے دیکھا تھا۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں یعنی الملائکۃ انزلہم لیجرسوا فی الغار ص ۳۴ ج ۱۔ تفسیر بیضاوی۔ وہ لشکر ملائکہ کے تھے ان کو بھیجا تاکہ اس کی غاریں حفاظت کریں اور غار پر مکڑی کا جالاقنا اور کبوتری کا انڈے دینا بھی اس میں شامل ہے۔ وہ اللہ جو مکڑی کے گھر کو ادھون البیوت کہتا ہے اسی کمزور سے مضبوط قلعہ کا کام لے لیتا ہے۔ جب قائف نے کہا وہ غار میں ہیں تو مشرکین نے ماننے سے انکار کر دیا اور یہ

کہا کہ اگر وہ غار میں داخل ہوتے تو یہ انڈے اور جالانہ ٹوٹتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ غار میں ہوں۔ یہ کہا اور واپس چلے گئے۔

(وجعل كلمة الذين كفروا السفلى) کلمہ سے مراد بظاہر انہی کی تدبیر ہے۔ وہ حضور علیہ السلام کو شہید کرنا چاہتے تھے۔ ان کی اس متفقہ تدبیر کو خاک میں ملا دیا اور اپنی تدبیر کو اس پر غالب کر دیا۔ اور میرے نزدیک یہی زیادہ مناسب ہے کہ مقام اسی کا مقتضی ہے۔ اور اگر مشرکوں کے کلمہ سے مراد ان کے باطل عقائد شرک وغیرہ ہوں تو بھی درست ہے۔ پھر اس صورت میں اللہ کے کلمہ سے توحید و ایمان خالص مراد ہو گا۔ مگر مقام کی مناسبت اُسی میں ہے جو پہلے ذکر کیا ہے۔

و كلمة الله هي العليا) یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اس میں رازیہ تھا۔ کہ دوام پر دلالت ہو جاتے، کہ اللہ کی بات تو ہے ہی بلند۔ وہ تدبیر ہو یا دوسری چیزیں ہوں یہ حکم سب پر جاری ہے۔ اور کفار کے لیے جملہ فعلیہ لائے جو حدوث کی علامت ہے۔ اسمیہ کو اپنے لیے اختیار کرنا دوام اور بلند ذاتی پر بھی دلالت کرنا مقصود تھا (واللہ عز و جل حکیم) اور اللہ زبردست حکمت والا ہے اس کی حکمت کو کوئی نہیں پاسکتا نہ پہنچ سکتا ہے۔

یہاں تک تو آیت کی تشریح تھی۔ اب اس واقعہ عظیمہ کو روایات کی روشنی میں بیان کرتا ہوں اور یہ ثابت کروں گا کہ ہجرت دوپہر کو ہوئی۔ رات کا افسانہ گھڑا گیا۔

حضور علیہ السلام نے دوپہر کے وقت مکہ سے ہجرت فرمائی

اس سلسلے میں پہلی روایت صحیح بخاری کی پیش کرتا ہوں جو تفسیر المنار سے نقل کی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ قال عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَبَيْنَمَا نَحْنُ يَوْمًا جُلُوسًا فِي بَيْتِ ابْنِ بَكْرٍ فِي نَحْوِ الظُّهْرِ۔ قَالَ قَائِلٌ لَا بِيْكَوْ

هَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَقَنَّعًا فِي سَاعَةِ لَمْرِكِنِ
يَأْتِينَا فِيهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بِي بَكَرٍ
أَخْرَجَ مِنْ عِنْدِكَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ إِنَّمَا هُمَا هَلَاكَ بَابِي أَنْتَ يَا رَسُولَ
اللَّهِ قَالَ فَإِنِّي قَدْ أَذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصَّحَابَةُ بَابِي
أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ
قَالَتْ عَائِشَةُ فَجِئْتُ نَاهِيَا حَتَّى الْجَهَّازَ وَصَنَعْنَا لِهَمَا سَفْرَةَ فِي
جَرَابٍ فَقَطَعْتَ أَسْمَاءُ بِنْتُ أَبِي بَكْرٍ قِطْعَةً مِنْ نِطَاقِهَا فَرَلَبْتُ
بِهِ عَلَى فَمِ الْجَرَابِ فَبَذَلْتُكَ سَمِيَّتِ ذَاتُ النَّطَاقِ قَالَتْ ثُمَّ لَحِقَ
رَسُولُ اللَّهِ (ص) وَأَبُو بَكْرٍ بَغَارَ فِي جَبَلٍ ثَوْرٍ فَكُنَّا فِيهِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يَسِيْتُ
عِنْدَهَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ غُلَامٌ شَابٌ ثَقُفٌ لَقْنٌ فَيَدُ لَجٍّ مِنْ
عِنْدِهَا بِسَعْرِ فَيَصْبِحُ مَعَ قُرَيْشٍ بِمَكَّةَ كَبَانَتْ فَلَا يَسْمَعُ أَمْرًا مُكْتَنًا
بِهِ وَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ بْنُ نُفَيْرَةَ وَالِدُ لَيْلٍ فَأَخَذَ بِهِمْ
طَوِيقَ السَّوَا حُلٍ (تفسير المناد ص ۵ طبع مصر اور بخاری باب ہجرت النبی
صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ الی المدینۃ ص ۵۳ رج طبع لاہور۔

عروہ کہتے ہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اسی اثناء میں کہ ایک دن
ہم ابو بکرؓ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ گرمیوں کے موسم میں دوپہر کا وقت تھا۔
کسی نے ابو بکرؓ سے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ منہ پیٹے
ہوئے تھے اور ایسے وقت میں ہمارے ہاں تشریف لائے پہلے اس وقت
نہیں آتے تھے۔ آتے ہی فرمایا۔ اے ابو بکرؓ! جو آدمی تمہارے پاس ہیں ان کو
باہر نکال دو۔ ابو بکرؓ نے کہا یہ تو آپ کے ہی گھر والے ہیں۔ اے اللہ کے
رسول! میرا باپ آپ پر قربان ہو۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے ہجرت کا حکم مل گیا
ہے۔ تو ابو بکرؓ نے کہا۔ میں بھی ساتھ ہوں گا میرا باپ آپ پر قربان ہوا اے
اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں تو بھی

ساتھ ہوگا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ہم نے بہت ہی جلدی سفر کا سامان تیار کیا اور ان کے لیے کھانا تیار کر کے تمہیلی میں ڈالا۔ اور اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے کمر بند کو کاٹ کر اس کے ایک ٹکڑے سے تمہیلی کے منہ کو باندھا۔ اسی وجہ سے اسماء کا نام ذات النطاق پڑ گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ ثور سپاڑ کی غار میں جا کر روپوش ہو گئے۔ تین رات رہے۔ بعد اللہ بن ابی بکرؓ رات ان کے پاس بسر کرتا تھا اور وہ بہت ہوشیار اور ذہین نوجوان تھا۔ اندھیرے ہی میں صبح کے وقت ان کے پاس سے چلا آتا۔ صبح مکہ میں قریش کے ساتھ کرتا۔ جیسے کہ اس نے رات کے میں ہی گزاری ہے۔ جو بات سنتا ان دونوں کو پہنچا دیتا۔ (پھر جب رات کو وہاں سے چلے) تو عائشہ بن فہیرہ (حضرت ابوبکرؓ کا غلام) اور وہ رہبر ساتھ تھے۔ ساحل راستہ اختیار کیا۔ بہت کم جھٹے عبارت کے پھوڑے ہیں وہ ضرورت سے زائد اور باعث طوالت تھے۔ جو چین میں دکھانا چاہتا تھا پوری دے دی ہے۔ اس روایت میں دوپہر کا ہی ذکر ہے اور بخاری شریف کا پورا باب پڑھ جائیے رات کی روایت آپ کو ایک بھی نہیں ملے گی۔ نہ بستر پر حضرت علیؓ کا سونا نہ امانتوں کا فسانہ پاؤ گے۔ اسی لیے مفسر غلام محمد عہدہ نے رات کی کوئی روایت اپنی تفسیر میں نہیں لکھی۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ سب وضعی ہیں ورنہ وہ ضرور لکھتے۔

اب میں تاریخ طبری سے وہ روایات لکھتا ہوں جن میں دوپہر کا ذکر ہے۔ طبری نے رات کی دو روایتیں بھی مختصراً لکھی ہیں مگر دوپہر کی بہت تفصیل سے لکھی ہیں اور روایات سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی وقت مکہ میں حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا کوئی نہ تھا سب ہجرت کر گئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کو خود حضورؐ نے روکے رکھا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو ہجرت کی اجازت دیں تو اگلے چلیں گے

اور ابوبکرؓ اس کی تنہا کیا کرتے تھے۔ طبری کی عبارت گزر چکی ہے۔ جس پر یہ بیان ہے۔ اب روایات تاریخی ملاحظہ ہوں۔

تاریخ طبری کی پہلی روایت

فا خبرتني عائشة انهم بيئناهم ظهرا في بيئتهم وليس
عند ابي بكر الا ابنتاه عائشة واسماء اذا هم برسول الله صلى
الله عليه وسلم حين قام قائم الظهيرة وكان لا يخطئه يوما
ان يأتي بيت ابي بكر اول النهار واخرا فلما رأى ابو بكر النبي
صلى الله عليه وسلم جاء ظهرا قال لنا ما جاء بك يا نبي الله
الا امر حدث فلما دخل عليهم النبي صلى الله عليه وسلم البيت
قال لابي بكر اخرج من عندك قال ليس علينا عين انما هما ابنتاي
قال ان الله قد اذن لي بالخروج الى المدينة فقال ابو بكر يا رسول
الله الصحابة الصعابة قال الصعابة قال ابو بكر خذ احدي الراحتين
ص ۲۳۵ ج ۱۔ طبع بيروت۔

مجھے عائشہ (ام المومنینؓ) نے خبر دی کہ ہم ایک دن دوپہر کے وقت
اپنے گھر تھے اور ابوبکرؓ کے پاس اس کی دو بیٹیوں عائشہؓ اور اسماءؓ کے سوا
کوئی ان کے پاس نہ تھا۔ اور حضورؐ ہر روز صبح و شام ابوبکرؓ کے گھر آتے تھے
کبھی نافرمان نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ علیہ السلام کو دیکھا کہ
دوپہر کے وقت (خلافِ عادت) آرہے ہیں تو ابوبکرؓ نے کہا۔ حضورؐ کو کوئی نیا
واقعہ ہی دوپہر کو لایا ہے۔ پھر جب حضورؐ علیہ السلام ان کے پاس آکر گھر میں
داخل ہوئے تو ابوبکرؓ کو کہا۔ جو تیرے پاس ہوں ان کو باہر نکال دے۔ حضرت
ابوبکرؓ نے جواب دیا یہاں کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ صرف یہ دو میری بیٹیاں
ہیں (ان سے کوئی خطرہ نہیں) تو حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے

مدینہ میں چلے جانے کا حکم دے دیا ہے۔ اس پر ابو بکرؓ نے عرض کیا — یا رسول اللہ! میں بھی ساتھ ہوں گا۔ میں بھی ساتھ چلوں گا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا تو بھی ساتھ ہوگا۔ ابو بکرؓ نے کہا میری دو سواریاں ہیں ان میں سے ایک آپ لے لیں۔ روایت طویل تھی ضروری حصہ دے دیا ہے۔ جس میں ہجرت و واپس کو ہی لکھی ہے۔ تفصیل اصل کتاب سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس پھول ٹی کتاب میں تفصیلات نہیں دی جاسکتیں۔ دوپہر کو ہجرت دکھانا مقصود تھا وہ پورا ہو گیا۔

قال حدثني عروة من الزبير عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يخطئه احد طرفي النهار ان يأتي بيت ابى بكر اما بكرة واما عشية حتى اذا كان اليوم الذى اذن الله فيه لرسوله بالهجرة وبالخروج من مكة من بين ظهرا في قومه انا رسول الله صلى الله عليه وسلم بالهجرة في ساعة كان لا يأتي فيها قالت فلما راه ابو بكر قال ما جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه الساعة الا لامر حدثت قالت فلما دخل تأخر ابو بكر عن سريره فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس عند ابى بكر الا انا واختى اسماء بنت ابى بكر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اخرج عني من عندك قال يا نبى الله انما هما ابنتاي وما ذاك فدك بى واقى قال ان الله عز وجل قد اذن لى بالخروج والهجرة فقال ابو بكر الصحبة يا رسول الله قال الصحبة قالت فوالله ما شعرت قط قبل ذالك اليوم ان احدا يبكى من الفرح حتى رايت ابى بكر يومئذ يبكى من الفرح ثم قال يا نبى الله ان هاتين راحلتى -

(طبري ص ۲۳ ج ۱)

عروہ بن زبیر سے اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ آپؐ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے دونوں کناروں میں ابو بکرؓ کے گھر آنے سے ناغہ نہیں کرتے تھے۔ کبھی صبح کبھی شام آتے۔ یہاں تک کہ وہ دن بھی آگیا جس میں اللہ نے اپنے رسول کو ہجرت اور مکے سے قوم کے درمیان سے نکلنے کا حکم دیا تو رسول کریمؐ دو پہر کے وقت ایسی گھڑی میں ہمارے گھر آئے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب ان کو حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا تو ہنس گئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں آتے تھے۔ اب جو آئے ہیں تو ضرور کوئی خاص واقعہ رونما ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب رسول اللہ مکان میں داخل ہوئے تو ابو بکرؓ اپنی چارپائی سے ہٹ گئے پھر رسول کریم تشریف فرما ہوئے اور اس وقت ابو بکرؓ کے پاس سوائے میرے اور میری بہن اسما بنت ابی بکرؓ کے گھر میں کوئی اور نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تیرے پاس ہے اس کو یہاں سے باہر نکال دو۔ ابو بکرؓ نے کہا۔ یا نبی اللہ! کوئی خطرے کی بات نہیں یہ تو صرف میری دو بیٹیاں ہیں۔ میرے ماما باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ عزوجل نے مجھے مکے سے نکلنے اور ہجرت کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ تو ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی ساتھ ہوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں تو ساتھ ہو گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں خدا کی قسم میں اس دن سے پہلے ہرگز نہیں جانتی تھی کہ کوئی آدمی خوشی سے بھی روتا ہے جب تک کہ اس دن ابو بکرؓ کو خوشی سے روتے نہیں دیکھا تھا۔ پھر ابو بکرؓ نے کہا اے اللہ کے نبی! یہ میری دو سواریاں ہیں ان میں سے ایک لے لیجئے روایت طویل ہے جو میرا مقصود تھا وہ دو پہر کو ہجرت کا بیان کرنا تھا وہ کہہ دیا۔ اس روایت میں بھی کافی تفصیل ملتی ہے صرف کچھ الفاظ نئے آئے ہیں مطلب وہی ہے۔

عروہ بن زبیر سے اس نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ آپؐ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے دونوں کناروں میں ابو بکرؓ کے گھر آنے سے ناغہ نہیں کرتے تھے۔ کبھی صبح کبھی شام آتے۔ یہاں تک کہ وہ دن بھی آگیا جس میں اللہ نے اپنے رسول کو ہجرت اور مکے سے قوم کے درمیان سے نکلنے کا حکم دیا تو رسول کریمؐ دو پہر کے وقت ایسی گھڑی میں ہمارے گھر آئے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب ان کو حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا تو ہنس گئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں آتے تھے۔ اب جو آئے ہیں تو ضرور کوئی خاص واقعہ رونما ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں جب رسول اللہ مکان میں داخل ہوئے تو ابو بکرؓ اپنی چارپائی سے ہٹ گئے پھر رسول کریم تشریف فرما ہوئے اور اس وقت ابو بکرؓ کے پاس سوائے میرے اور میری بہن اسما بنت ابی بکرؓ کے گھر میں کوئی اور نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تیرے پاس ہے اس کو یہاں سے باہر نکال دو۔ ابو بکرؓ نے کہا۔ یا نبی اللہ! کوئی خطرے کی بات نہیں یہ تو صرف میری دو بیٹیاں ہیں۔ میرے ماما باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ عزوجل نے مجھے مکے سے نکلنے اور ہجرت کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ تو ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی ساتھ ہوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں تو ساتھ ہو گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں خدا کی قسم میں اس دن سے پہلے ہرگز نہیں جانتی تھی کہ کوئی آدمی خوشی سے بھی روتا ہے جب تک کہ اس دن ابو بکرؓ کو خوشی سے روتے نہیں دیکھا تھا۔ پھر ابو بکرؓ نے کہا اے اللہ کے نبی! یہ میری دو سواریاں ہیں ان میں سے ایک لے لیجئے روایت طویل ہے جو میرا مقصود تھا وہ دو پہر کو ہجرت کا بیان کرنا تھا وہ کہہ دیا۔ اس روایت میں بھی کافی تفصیل ملتی ہے صرف کچھ الفاظ نئے آئے ہیں مطلب وہی ہے۔

دونوں باہر نکلے پھر تور پہاڑ کی غار کا قصد کیا جو مکہ کی نجلی طرف تھا۔ پھر اس میں داخل ہو گئے اور جانے سے قبل ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے لڑکے عبداللہؓ کو حکم دیا کہ لوگ دن میں جو کچھ ان کے بارے میں کہیں وہ سن کر ہمیں رات کے وقت بتایا کرے اور اپنے غلام عامر بن فہیرہ سے کہا وہ ان کی بکریاں دن کو چیلے۔ پھر رات کو غار کی طرف ان کے پاس لے آیا کرے۔ اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو ان کے پاس ان کی پسند کا کھانا لایا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تین رات رہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے۔ قریش نے (تلاش بسیار کے بعد) جب ان کو نہ پایا تو سوا اونٹنیاں انعام مقرر کیا کہ جو شخص ان کو قریش کے پاس لے آئے یہ انعام پائے۔ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دن کے وقت قریش اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ رہتا۔ اور ان کے مشورے جو ان کے بارے میں ہوتے وہ اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتے سنتا پھر رات کو ان کے پاس آ کر آگاہ کرتا اور عامر بن فہیرہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غلام مکے کے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتا رہتا۔ جب رات ہوتی تو ان کے پاس لے جاتا تو وہ دونوں ان کا دودھ نکالتے اور ذبح بھی کرتے۔ پھر جب عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ صبح ہوتے ہی مکہ آ جاتا تو عامر بن فہیرہ اس کے نشان قدم مٹانے کی غرض سے بکریاں اس راستے پر لے آتا یہاں تک کہ وہ مٹ جاتے۔ اسی طرح جب تین دن رات گزر گئے اور لوگ (تلاش کرنے کے بعد) خاموش ہو کر بیٹھ رہے تو ان سے کہ پاس وہ آدمی (عبداللہ بن ارقم) آ گیا۔ جس کو اجرت پر مقرر کیا تھا۔ دو اونٹ ساتھ لایا اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے لیے کھانا لائی۔ لیکن تھیلی کا منہ باندھنے والا تسمہ بھول آئی۔ پھر جب وہ کوہج کرنے لگے تو دیکھا کہ تسمہ نہیں ہے کہ کھانا باندھ کر سواری سے لٹکا دے تو اس نے اپنا کمر بند کھول کر دو ٹکڑے کیا پھر اس نے کھانا باندھ کر لٹکا دیا۔ اسی وجہ سے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو

ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔

اس وقت عورتیں کمر سے کپڑے کے کمر بند بنا کر باندھا کرتی تھیں۔ حضرت اسماعیلؑ نے بھی وہی باندھ رکھا تھا۔ جس کو دو ٹکڑے کر کے کھانا باندھا گیا۔ ان کی کتنی بڑی قربانی تھی۔ اگر یہ لوگ دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتے تو یہ صعوبتیں کیوں برداشت کرتے اور مال خرچ کرتے۔ طبقات ابن سعد نے لکھا ہے پینتالیس ہزار درہم حضرت ابوبکرؓ ساتھ لے کر گئے تھے۔ پھر سواؤنٹوں کا لالچ کیا کم تھا۔ کسی نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں پر کتنا اعتماد تھا کہ ان سے راز کی بات کا پردہ نہ کیا سب کچھ بتا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ تو کجا آپ کے غلام پر بھی حضور علیہ السلام کو کامل اعتماد تھا۔ جو کام جس کے سپرد کیا وہ اس کو برابر بجالاتا رہا۔ اگر وہ لوگ ایسے فتابل بھروسہ اور جانثار نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو ابوبکرؓ کو ساتھ لے جانے اور پروگرام بنانے کا حکم ہی نہ دیتے۔ جس طرح حضرت علیؓ کو بتائے بغیر گھر سے نکلے تھے اسی طرح بغیر ابوبکرؓ کے روانہ ہو جاتے۔ اس سے بڑھ کر ان سے لوگوں کے کامل ایمان اور وفاداری اور اطاعت شعاری کی اور کیا مثال مل سکتی ہے۔ جو کام وہ کر گئے یہ ان ہی سعید و پاک طینت حضرات کا حصہ تھا۔ صحابہ کرامؓ کو بھی ہجرت کی رات کی فضیلت اور حضرت ابوبکرؓ کی معیت پر رشک تھا۔ ع

”یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے“

حضرت علیؓ کو نہ بتانے کی حکمت

حضرت علیؓ کو نہ بتانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر اعتماد نہ تھا۔ بلکہ مصلحت اور امر الہی کا تقاضا یہ تھا کہ کم سے کم آدمیوں تک یہ راز محفوظ رہے اور حضرت علیؓ کے حق میں بھی بہتر ہوا ورنہ جب کفار نے دریافت شروع کی اور حضور علیہ السلام کے لواحقین سے پوچھتے پھرے اور حضرت

علی رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھا تو انہوں نے صاف کہہ دیا مجھے علم نہیں۔ ورنہ ان کو جواب میں بہت الجھن پیش آتی۔

روایت کے دو حصوں پر جرح

اس روایت میں کمر بند پھاڑنے کا ذکر غار سے چلتے وقت کیا ہے یہ راوی کی بھول ہے۔ صحیح یہ ہے گھر سے نکلتے وقت اتنی جلدی تھی کہ اور چیز نہ ملی تو کمر بند پھاڑ ڈالا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا شَقِيهٌ فَشَقَّتْهُ۔ اسے پھاڑ دے تو اس نے پھاڑ ڈالا۔ دوسری چیز اس روایت میں بکری ذبح کرنے کی ہے یہ قرین قیاس نہیں اس لیے کہ وہ گوشت کہاں پکاتے اور پھر دہاں خون وغیرہ کے نشانات پڑ جانے سے راز افشا ہو جانے کا قوی امکان تھا اور پھر لطف یہ کہ کھانا تو حسبِ منشا پکا ہوا گھر سے آتا تھا۔ اس لیے یہ بات روایت کے خلاف ہے۔ لہذا قابلِ تسلیم نہیں۔ ہاں جن روایتوں میں گھر سے کھانا آنے کا ذکر نہیں اُن میں ذبح کا ذکر ہے۔ اس طرح یہ ممکن تھا۔ مگر یہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ اس لیے قابلِ التفات نہیں۔

خلاصہ بحث

یہ ہے کہ روایات مذکورہ بالا سے یہ بات اتفاقی طور پر ثابت ہو گئی کہ حضور علیہ السلام گرمیوں کے موسم میں دوپہر کے وقت جب کہ شدت کی گرمی میں سب لوگ اپنے گھروں میں تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔ وہیں تیار ہوا کی پھر کھانا تیار ہوا اور جو ہدایات دینی تھیں دیں۔ اور مکان کے عقب میں کھڑکی تھی وہیں سے نکل کر غار میں جا گزیں ہوئے۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر ٹٹانے کا ذکر ہے نہ امانتوں کی سپردگی کا اور نہ حقداروں کو ادائیگی کی کوئی ہدایت

ہے۔ اس پر بحث کرنے سے کئی امور محل نظر دکھائی دیتے ہیں۔

محل نظر امور کی تفصیل

اولے : کفار کا منصوبہ رات کو آپ کو شہید کرنے کا تھا۔ عقل کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ رات سے پہلے ہی مکے سے نکل جائیں اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر بھی یہی تھی۔

دوم : یہ کہ حضرت علیؓ کو بستر پر پڑانے کی حکمت یہ بتاتے ہیں کہ کفار کو پتہ چلے کہ خود حضور علیہ السلام سو رہے ہیں۔ اس شق پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں (۱) گرمیوں کی شدت میں مکان کے اندر سونا عادتاً خلاف ہے۔ وہ یقیناً حرمی میں سوتے ہوں گے۔ پہلی تو یہ کمزوری روایت میں پائی جاتی ہے۔ (۲) بقول قائلین رات کا وقت تھا، سخت اندھیرا تھا صفر کی آخری شب تھی جبکہ چاند غائب ہوتا ہے ان کو نظر کیسے آتا کہ کون سو رہا ہے اور مکان میں روشنی بھی نہ تھی۔ ان کا دستور تھا رات کو دیا گل کر کے سوتے تھے۔ اور خود حضور علیہ السلام کا ارشاد بھی گل کر کے سونے کا ہے۔ (۳) عرب کے دستور کے مطابق جوان بیٹا بھی ماں باپ کے کمرے میں نہیں سو سکتا تھا۔ اور وہاں حضور علیہ السلام کی بیوی حضرت سودہ بنت زمعہ اور دو جوان لڑکیاں حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ بھی اس مکان میں تھیں۔ اس لیے بھی حضور علیہ السلام کا حضرت علیؓ کو بستر پر سلا نا قرین قیاس نہیں۔ کیونکہ جس کام سے کوئی فائدہ ہی نہیں وہ کیوں کرتے۔

سوم : امانتوں کا مسئلہ یہ بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ وہ مشرک حضور علیہ السلام کے خون کے پیاسے تھے وہ کب امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے اور اگر مان لیا جائے تو بھی بات نہیں بنتی اس لیے کہ جب انہوں نے مشورہ کیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ آپ کو شہید کر دیا جائے تو اس وقت امانتیں

واپس نہ لے لی ہوں گی بلکہ یہاں تک نوبت آنے سے پہلے ہی امانتیں وصول
 کر لی ہوں گی۔ کوئی آدمی بھی ایسے موقع پر دشمن کی مالی امداد کرنا گوارا نہیں کرتا
 اور کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ آپؐ کو شہید کر دینے کے بعد اپنی امانتیں
 کس سے وصول کریں گے۔ پھر جن روایات میں حضرت علیؓ کو امانتیں ادا کرنے
 کی ہدایت دی گئی ہے ان میں یہ نہیں کہ وہ دے کر مدینہ چلے آئے۔ اور وہ کس
 کس کی تحقیر اور ان کی کیا نوعیت تھی۔ روایات اس معمر کو حل کرنے سے قاصر
 ہیں یہ دراصل ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایسی روایات وضع کی
 گئیں۔ یعقوب کلینی نے بے شمار جھوٹی اور خلاف عقل حکایات وضع کی ہیں
 ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہجرت کی رات اللہ تعالیٰ نے جب رائیل اور
 مہبائیل سے کہا تم دونوں میں سے دوسرے کے لئے کوئی جان دے سکتا ہے۔
 انہوں نے کہا نہیں۔ ہر ایک کو اپنی جان پیاری ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا جاؤ علیؓ کو میرا سلام دو وہ اپنے بھائی کی خاطر جان دے رہا ہے
 آپؐ کے بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ حالانکہ ان روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ
 اے علیؓ! تجھے وہ لوگ کچھ نہیں کہیں گے۔ جب نبیؐ کہہ دے تو وہ وحی
 سے ہوتا ہے پھر خطرے کی کیا بات تھی۔ حکایات دیکھنی ہوں تو کتاب
 شہادت حیرت دہوی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ لوگ صرف یہ دکھانا چاہتے تھے کہ
 علیؓ کا کتنا مقام ہے کہ نبیؐ کے بستر پر لیٹنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور نبیؐ نے
 امانتیں اس کے سپرد کیں۔ نبیؐ کو اس پر کتنا اعتماد تھا۔ مگر افسوس! یہ کوئی نہیں
 لکھتا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو ہجرت کا راز تک نہ بتایا۔ اور
 حضرت ابوبکرؓ کے غلام کو بھی علم تھا۔ خواہ کچھ وجوہات ہوں مگر امر واقع یہی
 ہے۔ واقعہ ہجرت میں حضرت علیؓ نے کیا کردار ادا کیا۔ کوئی صحیح روایت
 اس کی وضاحت نہیں کرتی۔ اب سنیہ حضرت ابوبکرؓ کے گھروالوں سے کفار
 نے کیا سلوک کیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے گھر والوں سے مشرکین کا سلوک

یہ حالات بھی طبری سے پیش کرتا ہوں۔ یہ ثبوت مؤرخ ہے۔ اس لیے اس باب میں اس کی بات بہت توجہ اور غور کے لائق ہے۔ طبری کی تین روایات لکھ آیا ہوں یہ اس سلسلے کی چوتھی روایت ہے جس میں کچھ اور تفصیلات ملتی ہیں۔

عن اسماء بنت ابی بکر قالت لما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکر اتانا نفر

چوتھی روایت

من قریش فیہم ابو جہل بن ہشام فوقفوا علی باب ابی بکر فخرجت الیہم فقالوا ابن ابی بکر یا ابنہ ابی بکر قلت لا ادعی واللہ ابن ابی قالت فرفع ابو جہل یدہ وکان فاحشا خبیثا فلطم خدی لطمۃ طرح منها قرطی قالت ثم انصرفوا۔ ص ۲۴ ج ۱۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ گھر سے نکل گئے تو بعد میں قریش کی ایک جماعت جس میں ابو جہل بن ہشام بھی تھا ہمارے پاس آئی۔ وہ لوگ ابو بکرؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تو میں ان کی طرف باہر آ گئی۔ انہوں نے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا مجھے کوئی علم نہیں۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتی میرا باپ کہاں ہے۔ وہ کہتی ہیں میرا یہ جواب سنتے ہی ابو جہل نے اپنا ہاتھ بلند کیا وہ بہت بدگو اور خبیث تھا اور میرے رخسار پر زور سے تھپڑ مارا جس سے میرے کان کی بالی گر گئی۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے۔

اس روایت میں حضرت ابو بکرؓ کے گھر والوں پر جو مصائب آئے ان پر روشنی پڑتی ہے مگر ان لوگوں نے ان مشکلات کو خذہ پیشانی سے برداشت کیا۔ رات دن خدمت میں لگے رہے اونٹنیاں سواری کے لیے

تیار کیں۔ اجرت پر رہبر کی خدمات حاصل کیں۔ پھر حضرت اسماءؓ کو ظالم نے تھپڑ بھی مارا۔ مگر اس نے تھپڑ کھا کے بھی بھید نہ دیا۔ اور ایک بات اور قابل غور ہے کہ کافروں نے یہ نہ پوچھا کہ تمہارا رسول کہاں ہے؟ اس لیے کہ لڑکی ہرگز نہیں بتائے گی۔ اس لیے اس کے باپ کے بارے میں دریافت کیا اور یہ ان کو معلوم تھا کہ جہاں ابوبکرؓ ہوگا وہیں خلاصہ کائنات خلوت گزریں ہوگا۔ اس لیے لڑکی کو دھوکا دے کر حضور علیہ السلام کا پتہ دریافت کرنا چاہتے تھے مگر ناکام واپس آئے۔ حضرت اسماءؓ کی عقل کی داد دیجئے کہ ان کے دھوکہ میں نہ آئیں اور مار کھانے کے بعد بھی ان کو نہ بتایا۔ حالانکہ اس کو سب کچھ معلوم تھا۔ پروگرام کی تفصیلات سے واقف تھیں۔ اس سے زیادہ وفاداری کا اور کیا ثبوت ہوگا۔

حضرت علیؓ سے بھی پوچھا گیا مگر جس اہتمام سے حضرت ابوبکرؓ کے گھر والوں سے پوچھا اور کسی سے نہیں۔ اور حضرت اسماءؓ کو تھپڑ کیوں مارا؟ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے وہ جانتے تھے کہ اس کو علم ہے مگر بتاتی نہیں۔ حضرت علیؓ کو کیوں نہ مارا؟ وہ جانتے تھے کہ واقعی اس کو علم نہیں ہوگا۔ یہ جولا علمی کا اظہار کر رہا ہے سچ ہوگا۔

اب ذرا قافلے کا ذکر بھی سنئے۔

غار سے روانگی

رات کے وقت غار سے نکلے تو ہر ایک اونٹنی پر دو آدمی سوار ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن ارقم رہبر دونوں ایک اونٹنی پر سوار ہوئے عبداللہ آپ کا ردیف تھا۔ دوسری سواری پر حضرت ابوبکرؓ اور ان کا غلام حضرت عامر بن فہیرہ سوار ہوئے۔ رات بھر چلتے رہے۔ غیر معروف ساحلی راستہ اختیار کیا۔ پھر دن بھی چلتے رہے

ایک چٹان کے پاس ظہر کے وقت قیام فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے چادر بچھا کر حضور علیہ السلام کو بٹھایا۔ اور ایک چرواہے کو بلا کر اس کے ہاتھ دھلائے پھر بکری کے حق صاف کرائے اور دودھ نکلوا یا جس کو کپڑے سے چھان کر اور اس میں پانی ملا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ اس واقعہ سے خدمت کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ کی نفاست طبع کا بھی اندازہ کیجئے کتنا صفائی کا خیال رکھا۔ اور اس سے خود حضور علیہ السلام کی نفاست اور لطافت کا حال سمجھا جاسکتا ہے۔ بے مد لطیف و نفیس مزاج رکھتے تھے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سراقہ جا ملا تھا۔ جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ یہ تمام واقعات سیرت النبیؐ شبلی نعمانی میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہ قافلہ بقول علامہ شبلی نعمانی سیرت نگار سولہ دن میں دوپہر کے وقت قبا میں پہنچا۔ وہاں پہنچنے کی تاریخ ۸ ربیع الاول یکم ہجری مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء بروز جمعرات لکھی ہے۔ اس حساب سے ۲۲ صفر کو مکہ سے روانگی ہوگی۔ مگر طبری نے ۱۲ ربیع الاول تاریخ لکھی ہے اور ۱۲ دن راستے کے لکھے ہیں۔ اس حساب سے یکم ربیع الاول یا تیس صفر کو مکہ سے روانگی ہوتی ہوگی۔ پھر طبری لکھتا ہے باقی ربیع الاول قبا میں گزارا۔ مگر صحیح یہ ہے جو امام بخاریؒ نے لکھا ہے قبا میں قیام ۱۴ دن رہا۔ ہفتہ کے دن پہنچے اور ایک جمعہ قبا میں پڑھایا۔ پھر دوسرے جمعہ کو مدینہ منورہ کو رونق بخشی۔ بلکہ یوں کہیے کہ یثرب کو مدینہ بنا دیا۔

طبری کی روایت یہ ہے۔ محمد بن اسحاق قال قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فی شہر ربیع الاول لاثنتی عشرة یلۃ مضت منہ فاقام بہا ما بقی من شہر ربیع الاول۔ ص ۲۵۹ ج ۱۔

محمد بن اسحاق کہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ میں آئے اور وہیں باقی ماہ گزارا۔ یہاں مدینہ سے مراد قبلہ ہے اس نے انگریزی

مہینہ اور سن کا ذکر نہیں کیا۔ مگر علامہ شبلی نے صاف لکھا ہے ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء اور روایات میں گرمی کے موسم کا بھی ذکر ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ستمبر کا مہینہ ہوگا۔ آپ چودہ دن قبا میں رہے اور جمعہ کو وہ تاریخی پہلا خطبہ دیا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ کافی طویل ہے۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو یہاں لکھتا۔ آپ نے اس خطبے میں کسی کی کوئی شکایت نہیں کی۔ نہ قریش کے ظلم و ستم کی داستان دہرائی۔ خدا کے بندوں کو خدا کی بندگی کی دعوت دلا۔ غیر اللہ کے تمام بت پاش پاش کر دیئے۔ دعوتِ عمل کے ساتھ اخوتِ اسلامی کا سلسلہ قائم فرمایا۔ انصار لے جس گرج محوش کا مظاہرہ کیا، دیدہ و دل فرش راہ کئے۔ مرجا کے ترانے فضاؤں میں گونج اٹھے۔

طلع البدر علینا من ثنات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا اللہ داع
ایہا المبعوث فینا، جئت بالامرالطاع

یہ ترانہ انصار کی معصوم بچیوں کی زبانوں پر تھا۔ چشمِ فلک نے وہ پرکھ کر منظر بھی دیکھا اور مکے والوں کے ظلم و ستم بھی۔ آخر وہ مہتابِ رشکِ آفتابِ عالم تاب و دواعِ پہاڑ کی گھائیوں سے طلوع کرتا ہوا قبا جا پہنچا۔ امت پر اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم کا شکر واجب ہے۔ جب تک اللہ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے گا۔ وہ ایسا نظامِ حیات لے کر آئے جس کا ماننا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا۔ اور اسی پر نجات کا انحصار و مدار۔ انصار رضوان اللہ علیہم تین دن آپ کے منتظر رہے وہ سارا سارا دن تگتے رہے کہ کب وہ ہادی برحق جلوہ گر ہو مگر آپ تین دن غار میں رہنے کے بعد آئے اس لیے ان کو انتظار کی صعوبت برداشت کرنی پڑی۔ قبا میں پہنچے تو لوگ حضرت ابوبکرؓ کو رسولِ کریمؐ سمجھے اور ان سے

مصافحہ کرنے لگے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہوا یہ تو حضور کے خادم اور
جائنا روفا دار ساتھی ہیں آپ پر سایہ کر رہے ہیں، دھوپ کی شدت
تھی۔ ان کو دریافت کرنے سے پتہ چل گیا یہ ابو بکرؓ ہیں اور وہ آفتاب
ہدایت جس کے منتظر تھے دوسرے ہیں۔ جن کی نگے کے بد نصیبوں نے
قدر نہ کی۔ مدینہ والوں کو اللہ نے گھڑ لا کر دے دیا۔ حضرت ابو بکرؓ لوگوں
سے مصافحہ اس لیے کرتے رہے کہ حضور علیہ السلام کو تکلیف نہ ہو۔ سفر
کی تھکاوٹ تھی۔ مزید پریشان نہ ہوں۔ ایسا جائنا روفا دار مددگار کس کو
ملتا ہے۔ یہی ہے جس کی دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مکے میں تلقین کی
تھی۔ جس نے رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ کسی نے پسح کہا ہے ے

صدیق یارِ فارِ نبی افضل البشر
بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر

علامہ اقبال نے حضرت ابو بکرؓ کی رفاقت اور احسان کا اپنے انداز
میں ذکر کیا ہے ے

آں امن الناس بر مولائے ما
آں کلیمے اول سینائے ما
ہمتِ ادکشت امت را چو ابر

ثانی اثنین و فار و بدر، قبر
میں نے بھی ان کی بارگاہ میں حقیر سا ہدیہ پیش کیا۔ کہ قبول افتد
زہے عز و شرف۔

ے راو حق کا نامور ہیرو پیغمبر کا صدیق
ثانی اثنین و فار و قبر کا ہے وہ رفیق
معاشریکِ کارِ پیغمبر وہ بزم و رزم میں
وہ مشیر و رازدار و اعلم رمز و رستیق

نائب ختم رسل شیدا نہ چوں صدیق بود
 بدن امت را چو روح و روح امت را رقیق
 آپ نے قبا میں مسجد کی بنیاد رکھی۔ وہاں کافی کام کئے۔ دو
 ہفتے گزارنے کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے۔ ہر آدمی آپ
 کو اپنا مہمان بنانے کی خواہش کر رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ
 میری اونٹنی جس کے گھر جا کر بیٹھ جائے میں اس کا مہمان بنوں گا۔ اس کو
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔ اب حضور علیہ السلام اس مبارک
 اور مامور من اللہ اونٹنی پر سوار ہیں۔ ہر آدمی اپنی قسمت کا نظارہ کرنا چاہتا
 ہے کہ دیکھئے یہ سعادت کس کے نصیب ہوتی ہے کہ دونوں جہاں کی رحمت
 اس پر سوار ہے۔

وہ آئے ہیں ہمارے گھر میں خدا کی قدرت ہے
 کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں !
 شعر کو مناسبت مقام پر محمول کریں۔ غالب کے مفہوم سے ہٹ کر
 بیان کیا ہے۔

بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔

وعدہ وصل چوں شود نزدیک
 آتش شوق تیز تر گردد

کا دور بھی گزر گیا۔ آخر یہ سعادت عظمیٰ حضرت ابو ایوب انصاری کے
 حصے میں آئی اونٹنی ان کے گھر جا کر بیٹھ گئی۔ یہ حضور علیہ السلام کی والدہ
 ماجدہ کے رشتہ داروں میں سے تھیں۔ گویا حق بحقدار رسید۔ حضرت ابو
 ایوب انصاری کے مکان کے دو حصے تھے۔ ایک بالائی منزل تھی وہ حضور
 علیہ السلام کو پیش کی۔ آپ نے فرمایا میرے پاس وفود آئیں گے،
 آپ کو تکلیف ہوگی۔ میں زیریں منزل لوں گا۔ لہذا نیچے والا مکان آپ کی

رہائش گاہ بنا۔ چھ ماہ کے بعد جب آپ کا مکان بن گیا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ کو پانچ سو درہم دے کر مکے بھیجا وہ آپ کے اہل و عیال کو مدینہ لے آئے اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو بھیجا وہ اپنے گھر والوں کو لے آئے۔ یہ حضرات مع حضرت علیؓ موقع ملتے ہی آپ کے بعد مکے سے چلے آئے تھے۔ اہل مکہ کا دستور تھا کہ عورتوں کو کچھ نہ کہتے تھے۔ اس لیے انہوں نے عورتوں اور بچوں کو کچھ نہیں کہا۔

سب غیریت سے رہے۔ صرف حضور علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو بوقت ہجرت تکلیف دی۔ یہ غزوہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب مکے والوں کے زخم ابھی تازے تھے۔ سردارانِ قریش کے قتل ہو جانے سے گھر گھر صفت ماتم بھیجی ہوئی تھی۔ ایسے عالم میں مخالف کے گھر والوں کو اذیت دینا انسانی کمزوری کی بات ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت زینبؓ کی اس تکلیف کا اظہار یوں فرمایا۔ **ہی افضل بناتی** **اصیبت فی**۔ یہ میری سب لڑکیوں میں افضل ہے میری خاطر اس کو تکلیفیں پہنچیں۔ ان کے علاوہ اور کسی عورت کو تکلیف نہیں دی گئی۔

یہ حقی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور حضرت صدیق اکبرؓ کی معیت جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ جنت میں بھی ساتھ ہوں گے۔ اب روضہ اقدس میں بھی ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ رفاقت کی سعادت سوائے حضرت ابوبکرؓ کے اور کسی کو نہ ملی۔ صحابہ کرامؓ کو ان تین راتوں سے پر رشک تھا۔ نہ ماننے والوں کے لیے تو دفتر بیکار ہیں اور ماننے والوں کے لیے اشارہ کافی ہے۔ قرآن نے جس کی گواہی دی ہو اس کے کمالات بیان کئے ہوں، اس کی مدح و ستائش میں کیا کسر رہ جاتی ہے۔

اب آخر میں چاہتا ہوں ذرا ان روایات کا تذکرہ بھی کروں، جو واعظین میں مشہور ہیں مگر محدثین کے نزدیک ضعیف اور بعض موضوع ہیں۔

ان میں سے بیشتر سنتے اور پڑھتے آتے ہیں۔ مگر وہ حقیقت پر ایک غبار
تھکایا صحرا میں سراب۔

ضروری ہوا کہ اس غبار کو حقیقت کے رُخ روشن سے دور کر دوں
تاکہ وہ نکھر کر سامنے آجائے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

ضعیف روایات کے رد و قبول کا معیار

محدثین فضائل کے باب میں ضعیف روایت کو لے لیتے ہیں۔
اور فقہاء نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ اس میں شرط یہ ہے وہ صحیح
حدیث کے معارض نہ ہو۔ احکام شرعیہ کے باب سے نہ ہو اور کسی
شخصیت کی تعریف ایسے انداز میں نہ ہو کہ متفق علیہ برگزیدہ ہستی کی
اس سے تنقیص لازم آئے۔ حفظ مراتب بہر حال میں ضروری ہے۔

وہ روایت ہے جو جعلی ہو کسی دشمن اسلام نے اپنے دماغ
سے ایک بات سوچی اور پیغمبر اسلام کی طرف منسوب کر دی
یہ روایت وضعی بھی کہلاتی ہے۔ میرے نزدیک ایسی روایت کو موضوع
حدیث بھی نہ کہا جائے کہ لفظ حدیث کی توہین ہے اسے صرف روایت
ہی کہنا چاہیے۔

اس تفصیل کے بعد یہ بھی عرض کر دوں جو صحیح روایت بھی ایسی پائی
جائے جو قرآن کریم کے معارض ہو تو وہ بھی قبول کے لائق نہیں، رد کے
قابل ہے۔ پھر وہ روایت صحیح نہیں کہلائے گی اگرچہ محدثین کے اصول پر پوری
اترے۔ یہ کہا جائے گا اس میں ضرور کوئی راوی دشمن اسلام ہے جو اسلام
اور تقویٰ کا لباؤہ اوڑھ کر محدثین کو دھوکہ دے گیا ہے۔ حدیث شرح قرآن
ہے وہ اس کے خلاف نہیں ہوتی۔ اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے
قرآن کا نسخ لازم آئے گا۔ حدیث متواتر کو اس پر قیاس نہ کیا جائے اس کے

لوازم جدا ہیں اور احکام الگ۔

ان اصولی قواعد کے بعد میں ان روایات کی طرف آتا ہوں جو ہجرہ کے باب سے ہیں۔

اولے: یہ روایت کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالاتن دیا اور کبوتری نے انڈے دے دئے۔ اگرچہ ضعیف ہے قرآن کے معارض نہیں بلکہ مؤید ہے۔ ایسا بجنود لہرتو رہا۔ کی جھلک اس سے ملتی ہے۔ اگر فرشتے مدد کر رہے تھے تو اللہ کے لشکروں میں یہ حیوانات بھی ہیں یہ بھی اپنا اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ پوری کائنات کا خلاصہ بلکہ یوں کیسے باعث وجود کائنات غار ثور میں روپوش تھا اور اس کا دوست اللہ کریم کی رحمت اور توجہ اور نصرت کا مرکز و محور تھا۔ اس لیے یہ روایت قابل قبول ہے۔ علامہ بیضاوی تفسیر میں رقمطراز ہیں :-

قيل لما دخل الغار رجعت الله حمامتين فباضتا في اسفلى والعنكبوت فنسجت عليه۔ (ص ۳۴ ج ۱) کہا گیا ہے جب وہ دونوں غار میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے دو کبوتر بھیجے انہوں نے غار کی نیچی سمت میں انڈے دے دیئے اور مکڑی بھیجی جس نے جالاتن دیا یہ اس وقت ہوا جب کفار غار پر آنے والے تھے۔ ان سے پہلے ہی یہ عمل کرا دیا۔ انہوں نے جب یہ منتظر دیکھا سراغ رساں کی ایک نہ مانی اور واپس ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے دکھا دیا جو مکڑی کا گھر سب سے کمزور ہوتا ہے مضبوط قلعہ کا کام دے گیا۔ اس کے بعد کافر پھر غار پر نہیں آئے۔ نہ یہ خطرہ لاحق ہوا۔ وہ رات کو باہر نکل آئے۔ حضرت عبداللہ اور عمر بن فہیرہ ان کے ساتھ ہوتے تھے۔

یہ بیان تو ضعیف روایات کے بارے میں تھا اب موضوعات کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔

موضوع روایات اور اُن کی حقیقت

ہجرت کے باب میں میرے نزدیک یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضور علیہ السلام کو اپنے کندھے پر اٹھایا اور غارتک لے گئے۔ یہ روایت کئی وجوہ سے درایت کے خلاف ہے۔

اولے، خود حضور علیہ السلام حضرت ابو بکرؓ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہ گوارا ہی کیسے کیا کہ ان پر سوار ہو جائیں۔

دوم، حضور علیہ السلام اجماع الناس یعنی تمام لوگوں سے بہادر تھے وہ اتنے کمزور دکھائے گئے کہ تین میل کا فاصلہ بھی طے نہ کر سکے۔ پھر ان سے تو ابو بکرؓ بہادر ہوئے جو آپ کو اٹھا کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ رہا یہ شبہ کہ پاؤں کے نشان مٹانے کے لیے ایسا کیا گیا۔ مگر وہ پھر بھی غارتک جا پہنچے۔ آخر پاؤں کے نشان سے ہی تو پتہ چلایا ورنہ کفار کو غارتک جانے کی کب ضرورت تھی۔

پھر وہ پہاڑ ایک میل بلند جس پر دن کو چڑھنا دشوار ہے رات کو کیسے چڑھے اور پھر حضرت ابو بکرؓ نے حضور علیہ السلام کو بھی اٹھائے رکھا۔ یہ اگر صحیح ہے تو معجزہ ہے۔ دائرۃ اسباب اس کے سامنے عاجز ہے۔ اگر ان روایات کو ضعیف ہی مان لیا جائے تو بھی ان پر عمل عقلاً دشوار ہے۔

در اصل یہ اور اس قسم کی دوسری روایات مخالف فریق کے جواب میں وضع کی گئی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے وہی گروہ اس طرف بھی لگا رہا ہو۔ یہ اس وضعی روایت کا جواب معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو کندھے پر اٹھا کر بت ترڑوائے تھے۔ حالانکہ وہ علیؓ حضور علیہ السلام کے نواسے حضرت زینبؓ کے نخت جگر تھے مگر کذاب راویوں نے علیؓ بن ابی طالب کا نام لکھ دیا

اس روایت میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کا بوجھ اٹھا سکتا ہے مگر نبی ﷺ کا بوجھ علی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہی حوصلہ و طاقت تھی جو بارِ نبوت کو اٹھا گئی۔ یہ توجیح واعظوں سے کئی بار سنی ہے لہذا ان شواہد کے ہوتے ہوئے یہ روایت اگر موضوع نہیں تو ضعیف ضرور ہے۔ اور قرائن وضعی پر دلالت کرتے ہیں۔

یہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں داخل ہو کر اس کے سوراخ بند کئے صرف ایک باقی رہ

دوسری روایت

گیا۔ جس میں پاؤں کی ایڑی رکھ دی پھر حضور علیہ السلام کو اندر بلایا۔ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ران پر سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ ایک سانپ آیا۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈس گیا۔ آپ پر زہر کا اثر شدید ہوا تو آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے وہ حضور کے رُخ انور پر گمے اور آپ بیدار ہوئے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا تو حضور علیہ السلام نے اپنا لعاب دہن لگایا جس سے درد جاتا رہا۔

یہ روایت بھی منجملہ موضوعات کے ہے۔ اس پر چند امور غور طلب ہیں۔ پہلی بات غور کے قابل یہ ہے کہ جب آپ رات کے وقت ہجرت بتاتے ہیں جبکہ صفر کی آخری تاریخ تھی چاند عرب میں کہیں نہ تھا۔ اس سخت اندھیرے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سوراخ نظر کیسے آئے۔

دوم۔ کیا وہ غارِ زمین سے باہر گنبد کی صورت ابھری ہوئی تھی۔ اگر ابھری ہوئی تھی تو چادر سے سوراخ بند کرنے سے دشمن سوراخوں میں دیا ہوا کپڑا دیکھ کر غار کو کبھی دیکھے بغیر نہ چھوڑتے۔ اس لیے ایسی غار میں کپڑا دینا خود کو دشمن کے سپرد کرنے کے برابر تھا۔

پھر جو سوراخ رہ گیا اس میں کوئی پتھر کیوں نہ دے دیا۔ پاؤں کیوں رکھا۔ پھر یہ غار ان حضرات کا دیکھا ہوا تھا سوراخ بند کرنے کے لیے

گھر سے کپڑا کیوں نہ لے کر گئے جو وہاں چادر بھاڑنی پڑی۔

پھر غار میں ایک پاؤں سوراخ میں رکھنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیئت کذائی کیا ہوگی۔ اور حضور علیہ السلام کو اپنی ران سے پر کیسے سلایا ہوگا۔ یہ اعتراضات غار کی گنبد جیسی صورت پر ہیں۔

اور اگر غار ایک گڑھا تھا اوپر سے نیچے اتنا پڑتا تھا۔ پھر وہ پہاڑ کے اندر تھی سوراخ کہاں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے وہ غار کے اندر گڑھوں کی شکل میں تھے اور کپڑے مکوڑوں سے بچنا مقصود تھا تو یہ کام پتھروں سے بھی لیا جاسکتا تھا۔ پاؤں رکھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

یہ تمام سوالات غار کے محل وقوع اور ہیئت پر تھے۔ اگر یہ سب خلاف عقل باتیں مان بھی لیں تو بھی ایک بات ناقابل فہم ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے لشکروں سے ابوبکرؓ کی مدد کر رہا تھا جیسا کہ بیضاوی سے میں نے لکھا ہے۔ کیونکہ سکینۃ علیہ اور ایڈہ میں اشارہ ابوبکرؓ کی طرف ہے یہ ضمیریں ان کی طرف راجع ہیں۔ اور اگر ضمیروں کا مرجع حضور علیہ السلام کو مان لیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت ان دونوں کو ہر وقت تاقیامت حاصل تھی اور معیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ نہیں وہ خود مدد کرے گا۔ یہ نہیں کہ اللہ ساتھ صرف تماشا دیکھنے کے لیے ہے۔ معاذ اللہ۔ اسی معیت کا عملی نمونہ تھا کہ فرشتے نگہبانی کر رہے تھے تو کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو سانپ نظر نہ آیا۔ جب مکڑی اور کبوتری ان کی جان بچانے کے لئے کام کر رہی ہیں تو کیا سانپ کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی تھی جو ڈس گیا تاکہ رسولؐ کا پیارا ساتھی اس سے جدا ہو جائے جس کی رفاقت اللہ تعالیٰ نے پسند کی تھی اس کی موت سے ختم نہ ہو جاتی۔ یہ بات قرآن کریم پر گہری نظر اور غور کرنے سے صریحاً باطل ثابت ہوتی ہے۔

گھر سے کپڑا کیوں نہ لے کر گئے جو وہاں چادر بھاڑنی پڑی۔

پھر غار میں ایک پاؤں سوراخ میں رکھنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیئت کذائی کیا ہوگی۔ اور حضور علیہ السلام کو اپنی ران سے پر کیسے سلایا ہوگا۔ یہ اعتراضات غار کی گنبد جیسی صورت پر ہیں۔

اور اگر غار ایک گڑھا تھا اوپر سے نیچے اتنا پڑتا تھا۔ پھر وہ پہاڑ کے اندر تھی سوراخ کہاں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے وہ غار کے اندر گڑھوں کی شکل میں تھے اور کپڑے مکوڑوں سے بچنا مقصود تھا تو یہ کام پتھروں سے بھی لیا جاسکتا تھا۔ پاؤں رکھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

یہ تمام سوالات غار کے محل وقوع اور ہیئت پر تھے۔ اگر یہ سب خلاف عقل باتیں مان بھی لیں تو بھی ایک بات ناقابل فہم ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے لشکروں سے ابوبکرؓ کی مدد کر رہا تھا جیسا کہ بیضاوی سے میں نے لکھا ہے۔ کیونکہ سکینۃ علیہ اور ایڈہ میں اشارہ ابوبکرؓ کی طرف ہے یہ ضمیریں ان کی طرف راجع ہیں۔ اور اگر ضمیروں کا مرجع حضور علیہ السلام کو مان لیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت ان دونوں کو ہر وقت تاقیامت حاصل تھی اور معیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ نہیں وہ خود مدد کرے گا۔ یہ نہیں کہ اللہ ساتھ صرف تماشا دیکھنے کے لیے ہے۔ معاذ اللہ۔ اسی معیت کا عملی نمونہ تھا کہ فرشتے نگہبانی کر رہے تھے تو کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو سانپ نظر نہ آیا۔ جب مکڑی اور کبوتری ان کی جان بچانے کے لئے کام کر رہی ہیں تو کیا سانپ کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی تھی جو ڈس گیا تاکہ رسولؐ کا پیارا ساتھی اس سے جدا ہو جائے جس کی رفاقت اللہ تعالیٰ نے پسند کی تھی اس کی موت سے ختم نہ ہو جاتی۔ یہ بات قرآن کریم پر گہری نظر اور غور کرنے سے صریحاً باطل ثابت ہوتی ہے۔

گھر سے کپڑا کیوں نہ لے کر گئے جو وہاں چادر بھاڑنی پڑی۔

پھر غار میں ایک پاؤں سوراخ میں رکھنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیئت کذائی کیا ہوگی۔ اور حضور علیہ السلام کو اپنی ران سے پر کیسے سلایا ہوگا۔ یہ اعتراضات غار کی گنبد جیسی صورت پر ہیں۔

اور اگر غار ایک گڑھا تھا اوپر سے نیچے اتنا پڑتا تھا۔ پھر وہ پہاڑ کے اندر تھی سوراخ کہاں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے وہ غار کے اندر گڑھوں کی شکل میں تھے اور کپڑے مکوڑوں سے بچنا مقصود تھا تو یہ کام پتھروں سے بھی لیا جاسکتا تھا۔ پاؤں رکھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

یہ تمام سوالات غار کے محل وقوع اور ہیئت پر تھے۔ اگر یہ سب خلاف عقل باتیں مان بھی لیں تو بھی ایک بات ناقابل فہم ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے لشکروں سے ابوبکرؓ کی مدد کر رہا تھا جیسا کہ بیضاوی سے میں نے لکھا ہے۔ کیونکہ سکینۃ علیہ اور ایڈہ میں اشارہ ابوبکرؓ کی طرف ہے یہ ضمیریں ان کی طرف راجع ہیں۔ اور اگر ضمیروں کا مرجع حضور علیہ السلام کو مان لیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت ان دونوں کو ہر وقت تاقیامت حاصل تھی اور معیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ نہیں وہ خود مدد کرے گا۔ یہ نہیں کہ اللہ ساتھ صرف تماشا دیکھنے کے لیے ہے۔ معاذ اللہ۔ اسی معیت کا عملی نمونہ تھا کہ فرشتے نگہبانی کر رہے تھے تو کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو سانپ نظر نہ آیا۔ جب مکڑی اور کبوتری ان کی جان بچانے کے لئے کام کر رہی ہیں تو کیا سانپ کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی تھی جو ڈس گیا تاکہ رسولؐ کا پیارا ساتھی اس سے جدا ہو جائے جس کی رفاقت اللہ تعالیٰ نے پسند کی تھی اس کی موت سے ختم نہ ہو جاتی۔ یہ بات قرآن کریم پر گہری نظر اور غور کرنے سے صریحاً باطل ثابت ہوتی ہے۔

گھر سے کپڑا کیوں نہ لے کر گئے جو وہاں چادر بھاڑنی پڑی۔

پھر غار میں ایک پاؤں سوراخ میں رکھنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیئت کذائی کیا ہوگی۔ اور حضور علیہ السلام کو اپنی ران سے پر کیسے سلایا ہوگا۔ یہ اعتراضات غار کی گنبد جیسی صورت پر ہیں۔

اور اگر غار ایک گڑھا تھا اوپر سے نیچے اتنا پڑتا تھا۔ پھر وہ پہاڑ کے اندر تھی سوراخ کہاں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے وہ غار کے اندر گڑھوں کی شکل میں تھے اور کپڑے مکوڑوں سے بچنا مقصود تھا تو یہ کام پتھروں سے بھی لیا جاسکتا تھا۔ پاؤں رکھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

یہ تمام سوالات غار کے محل وقوع اور ہیئت پر تھے۔ اگر یہ سب خلاف عقل باتیں مان بھی لیں تو بھی ایک بات ناقابل فہم ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے لشکروں سے ابوبکرؓ کی مدد کر رہا تھا جیسا کہ بیضاوی سے میں نے لکھا ہے۔ کیونکہ سکینۃ علیہ اور ایڈہ میں اشارہ ابوبکرؓ کی طرف ہے یہ ضمیریں ان کی طرف راجع ہیں۔ اور اگر ضمیروں کا مرجع حضور علیہ السلام کو مان لیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت ان دونوں کو ہر وقت تاقیامت حاصل تھی اور معیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ نہیں وہ خود مدد کرے گا۔ یہ نہیں کہ اللہ ساتھ صرف تماشا دیکھنے کے لیے ہے۔ معاذ اللہ۔ اسی معیت کا عملی نمونہ تھا کہ فرشتے نگہبانی کر رہے تھے تو کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو سانپ نظر نہ آیا۔ جب مکڑی اور کبوتری ان کی جان بچانے کے لئے کام کر رہی ہیں تو کیا سانپ کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی تھی جو ڈس گیا تاکہ رسولؐ کا پیارا ساتھی اس سے جدا ہو جائے جس کی رفاقت اللہ تعالیٰ نے پسند کی تھی اس کی موت سے ختم نہ ہو جاتی۔ یہ بات قرآن کریم پر گہری نظر اور غور کرنے سے صریحاً باطل ثابت ہوتی ہے۔

گھر سے کپڑا کیوں نہ لے کر گئے جو وہاں چادر بھاڑنی پڑی۔

پھر غار میں ایک پاؤں سوراخ میں رکھنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیئت کذائی کیا ہوگی۔ اور حضور علیہ السلام کو اپنی راس پر کیسے سلایا ہوگا۔ یہ اعتراضات غار کی گنبد جیسی صورت پر ہیں۔

اور اگر غار ایک گڑھا تھا اوپر سے نیچے اتنا پڑتا تھا۔ پھر وہ پہاڑ کے اندر تھی سوراخ کہاں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے وہ غار کے اندر گڑھوں کی شکل میں تھے اور کپڑے مکوڑوں سے بچنا مقصود تھا تو یہ کام پتھروں سے بھی لیا جاسکتا تھا۔ پاؤں رکھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

یہ تمام سوالات غار کے محل وقوع اور ہیئت پر تھے۔ اگر یہ سب خلاف عقل باتیں مان بھی لیں تو بھی ایک بات ناقابل فہم ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے لشکروں سے ابوبکرؓ کی مدد کر رہا تھا جیسا کہ بیضاوی سے میں نے لکھا ہے۔ کیونکہ سکینۃ علیہ اور ایڈہ میں اشارہ ابوبکرؓ کی طرف ہے یہ ضمیریں ان کی طرف راجع ہیں۔ اور اگر ضمیروں کا مرجع حضور علیہ السلام کو مان لیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت ان دونوں کو ہر وقت تاقیامت حاصل تھی اور معیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ نہیں وہ خود مدد کرے گا۔ یہ نہیں کہ اللہ ساتھ صرف تماشا دیکھنے کے لیے ہے۔ معاذ اللہ۔ اسی معیت کا عملی نمونہ تھا کہ فرشتے نگہبانی کر رہے تھے تو کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو سانپ نظر نہ آیا۔ جب مکڑی اور کبوتری ان کی جان بچانے کے لئے کام کر رہی ہیں تو کیا سانپ کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی تھی جو ڈس گیا تاکہ رسولؐ کا پیارا ساتھی اس سے جدا ہو جائے جس کی رفاقت اللہ تعالیٰ نے پسند کی تھی اس کی موت سے ختم نہ ہو جاتی۔ یہ بات قرآن کریم پر گہری نظر اور غور کرنے سے صریحاً باطل ثابت ہوتی ہے۔

گھر سے کپڑا کیوں نہ لے کر گئے جو وہاں چادر بھاڑنی پڑی۔

پھر غار میں ایک پاؤں سوراخ میں رکھنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیئت کذائی کیا ہوگی۔ اور حضور علیہ السلام کو اپنی راس پر کیسے سلایا ہوگا۔ یہ اعتراضات غار کی گنبد جیسی صورت پر ہیں۔

اور اگر غار ایک گڑھا تھا اوپر سے نیچے اتنا پڑتا تھا۔ پھر وہ پہاڑ کے اندر تھی سوراخ کہاں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے وہ غار کے اندر گڑھوں کی شکل میں تھے اور کپڑے مکوڑوں سے بچنا مقصود تھا تو یہ کام پتھروں سے بھی لیا جاسکتا تھا۔ پاؤں رکھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

یہ تمام سوالات غار کے محل وقوع اور ہیئت پر تھے۔ اگر یہ سب خلاف عقل باتیں مان بھی لیں تو بھی ایک بات ناقابل فہم ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے لشکروں سے ابوبکرؓ کی مدد کر رہا تھا جیسا کہ بیضاوی سے میں نے لکھا ہے۔ کیونکہ سکینۃ علیہ اور ایڈہ میں اشارہ ابوبکرؓ کی طرف ہے یہ ضمیریں ان کی طرف راجع ہیں۔ اور اگر ضمیروں کا مرجع حضور علیہ السلام کو مان لیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت ان دونوں کو ہر وقت تاقیامت حاصل تھی اور معیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ نہیں وہ خود مدد کرے گا۔ یہ نہیں کہ اللہ ساتھ صرف تماشا دیکھنے کے لیے ہے۔ معاذ اللہ۔ اسی معیت کا عملی نمونہ تھا کہ فرشتے نگہبانی کر رہے تھے تو کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو سانپ نظر نہ آیا۔ جب مکڑی اور کبوتری ان کی جان بچانے کے لئے کام کر رہی ہیں تو کیا سانپ کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی تھی جو ڈس گیا تاکہ رسولؐ کا پیارا ساتھی اس سے جدا ہو جائے جس کی رفاقت اللہ تعالیٰ نے پسند کی تھی اس کی موت سے ختم نہ ہو جاتی۔ یہ بات قرآن کریم پر گہری نظر اور غور کرنے سے صریحاً باطل ثابت ہوتی ہے۔

گھر سے کپڑا کیوں نہ لے کر گئے جو وہاں چادر بھاڑنی پڑی۔

پھر غار میں ایک پاؤں سوراخ میں رکھنے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہیئت کذائی کیا ہوگی۔ اور حضور علیہ السلام کو اپنی ران سے پر کیسے سلایا ہوگا۔ یہ اعتراضات غار کی گنبد جیسی صورت پر ہیں۔

اور اگر غار ایک گڑھا تھا اوپر سے نیچے اتنا پڑتا تھا۔ پھر وہ پہاڑ کے اندر تھی سوراخ کہاں ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے وہ غار کے اندر گڑھوں کی شکل میں تھے اور کپڑے مکوڑوں سے بچنا مقصود تھا تو یہ کام پتھروں سے بھی لیا جاسکتا تھا۔ پاؤں رکھنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

یہ تمام سوالات غار کے محل وقوع اور ہیئت پر تھے۔ اگر یہ سب خلاف عقل باتیں مان بھی لیں تو بھی ایک بات ناقابل فہم ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے لشکروں سے ابوبکرؓ کی مدد کر رہا تھا جیسا کہ بیضاوی سے میں نے لکھا ہے۔ کیونکہ سکینۃ علیہ اور ایڈہ میں اشارہ ابوبکرؓ کی طرف ہے یہ ضمیریں ان کی طرف راجع ہیں۔ اور اگر ضمیروں کا مرجع حضور علیہ السلام کو مان لیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت ان دونوں کو ہر وقت تاقیامت حاصل تھی اور معیت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ نہیں وہ خود مدد کرے گا۔ یہ نہیں کہ اللہ ساتھ صرف تماشا دیکھنے کے لیے ہے۔ معاذ اللہ۔ اسی معیت کا عملی نمونہ تھا کہ فرشتے نگہبانی کر رہے تھے تو کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو سانپ نظر نہ آیا۔ جب مکڑی اور کبوتری ان کی جان بچانے کے لئے کام کر رہی ہیں تو کیا سانپ کو حضرت ابوبکرؓ سے دشمنی تھی جو ڈس گیا تاکہ رسولؐ کا پیارا ساتھی اس سے جدا ہو جائے جس کی رفاقت اللہ تعالیٰ نے پسند کی تھی اس کی موت سے ختم نہ ہو جاتی۔ یہ بات قرآن کریم پر گہری نظر اور غور کرنے سے صریحاً باطل ثابت ہوتی ہے۔

باسمہ تعالیٰ

مکہ مکرمہ زادہ اللہ تشریفاً و تکرماً

۲۷ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ، ۱۱ نومبر ۱۹۸۹ء

محترمی و مکرمی زاد مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت مزاج گرامی! امید ہے مزاج بخیر و عافیت ہوں گے الحمد للہ بندہ بھی بخیر و عافیت ہے دیگر عرض ہے کہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں ایک کتاب ”اصحاب رسول قرآن کی نظر میں“ نظر سے گذری، بے حد پسند آئی۔ گزارش ہے کہ اس کے تین نسخے مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں اس کی قیمت میں ہندوستان سے آپ کو کوئی کتاب ارسال کر دیتا ہوں۔ نیز تفسیر آیت مباہلہ، ہجرت نبویؐ و معیت صدیقی بھی ایک ایک نسخہ ارسال فرمائیں۔ آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔ مصنف حضرت مولانا عبدالغنی شیدا (خطیب) مدنی مسجد کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام مع الاحترام

خطیب محمد عبدالباقی ۱۴/۱۱/۸۹

یہ کتاب انہوں نے حج کے موقع پر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں دیکھی تھی۔

آخری گزارش

اگر ہم کو بحیثیت مسلمان زندہ رہنا ہے تو کامل اعتماد، نظم و ضبط کے سوا دشوار ہے آئیے ہم سب مل کر اپنی تنظیم بنائیں اور منظم طور پر اسلام کی تبلیغ کریں۔ اور مخالفین کا مؤثر دفاع کریں جس سے مشاہیر اسلام کے روشن کارنامے اور سیرت پوری آئے تاب کے ساتھ جگمگانے لگے اور اس کی دلکشی اپنے اندر جذب کئے بغیر نہ چھوڑے اگر ہم یہ کام کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انشاء اللہ دونوں جہان کی کامیابی ہمارا استقبال کرے گی اور آنے والی نسلیں خراج عقیدت پیش کریں گی۔

دریائے خوں بہانے سے کیا چشم فائدہ دو قطرے ہی بس ہیں جو اثر کریں

وما علینا الا البلاغ



عبدالغنی شیدا خطیب مدنی مسجد فاروق گنج لاہور پاکستان

۱۹ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۸۹ء

نوٹ: صرف مصنف کے نام خط و کتابت کریں۔

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اصحابِ رسولؐ

_____ قرآن کی نظر میں

اگر آپ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مستند اور
عزیز ثانی حالات پڑھنا چاہتے ہیں تو
اسے کتاب کا مطالعہ فرمائیں

تفسیر البیت مباحلہ

(زیر طبع)

اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ وفد
بحران مباحلہ کیلئے تیار ہی نہیں ہوئے اور
روایت کسار پر مدلل بحث کی ہے اور یہ ثابت
کیا ہے : یہ درست نہیں۔